ماھنامہ

موازنہ مذاہب

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

ISSN: 20491131

جنوری 2026ء | صلح 1405 ھجری شمسی | رجب 1447 ھجری قمری | جلد 15 شمارہ 1

سال نو مبارک

كُلُّ عَامٍ وَ اَنْتُمْ بِخَيْرٍ

नव वर्ष की शुभकामनाएँ

Happy New Year

Bonne année

Feliz Año Nuevo

С Новым годом

Frohes neues

שנה טובה

Heri ya Mwaka Mpya

Afehyia pa

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اختتامی خطاب بر موقعہ جلسہ سالانہ قادیان 2025ء فرمودہ 28 دسمبر 2025ء میں فرمایا:

”جنہوں نے شرائط بیعت اپنے گھروں میں سامنے نہیں لگائیں وہ اب لگالیں جن سے پتہ لگتا رہے کہ شرائط بیعت کیا ہیں اور پڑھنے سے اپنی اصلاح بھی ہوگی۔“

شرائط بیعت سلسلہ عالیہ احمدیہ

اوّل:۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم:۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بد نظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم:۔ یہ کہ بلاناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔

چہارم:۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم:۔ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضاء ہوگا اور ہر ایک ذِلّت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم:۔ یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعتِ ہواوہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قَالَ اللّٰہ اور قَالَ الرَّسُوْل کو اپنے ہر یک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم:۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم:۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر یک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم:۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض لِلّٰہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم:۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض لِلّٰہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تاوقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

(اشتہار تکمیل تبلیغ 12/ جنوری 1889ء)

ماہنامہ موازنۂ مذاہب

جلد15 شمارہ 01 صلح 1405ھجری شمسی، رجب 1447 ھجری قمری بمطابق **جنوری** 2026ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	**اداریہ؛**	2
2	ارشاد باری تعالیٰ : اگلے جہان کا مال	8
3	ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں	9
4	امام الکلام: انسان کو اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے	10
5	کلام الامام؛ آخری رات اور نئے سال کا آغاز: امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	11
6	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ تعارف کتاب "سیرت ابن ہشام"	13
7	مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات از افاضات حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز: مرسلہ، ع۔س۔اختر	26
8	تعارف کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام؛ "شحنۂ حق": اے۔ولیم۔	39
9	بائبل میں چند؛ سید میر محمود احمد ناصر (مرحوم)	47
10	الیگزینڈر رسل ویب آف امریکہ	50
11	ہستی باری تعالیٰ کے دلائل؛ ابو صریر	72
12	Does the Shroud of Turin speak of a living Jesus following the Crucifixion?: M. H. Nuri	83

پبلشرز: Additional Wakalat Tasneef

Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS UK
office@tasneef.co.uk

اداریہ:

آیئے اپنے پیارے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ کیا۔۔۔!!!

ہمارے پیارے امام نے 30 دسمبر 2016ء کو خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

"نئے سال کے آغاز پر جو یکم جنوری سے شروع ہوتا ہے دنیا والے کیا کچھ نہیں کرتے۔ مغربی ممالک میں یا ترقی یافتہ ممالک میں خاص طور پر اور باقی دنیا میں بھی 31ر دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی رات کو کیا کچھ شور و غل نہیں ہوتا۔ آدھی رات تک خاص طور پر جاگا جاتا ہے بلکہ ساری ساری رات صرف شور شرابے کے لئے، شراب کباب کے لئے، ناچ گانے کے لئے جاگتے ہیں۔ گویا گزشتہ سال کا اختتام بھی لغویات اور بیہودگیوں کے ساتھ ہوتا ہے اور نئے سال کا آغاز بھی لغویات کے ساتھ ہوتا ہے۔ دنیا کی اکثریت کی دین کی آنکھ تو اندھی ہو چکی ہے اس لئے ان کی نظر تو وہاں تک پہنچ نہیں سکتی جہاں مومن کی نظر پہنچتی ہے اور پہنچنی چاہئے۔ ایک مومن کی شان تو یہ ہے کہ نہ صرف ان **لغویات سے بچے اور بیزاری کا اظہار کرے بلکہ اپنا جائزہ لے اور غور کرے کہ اس کی زندگی میں ایک** سال آیا اور گزر گیا۔ اس میں وہ ہمیں کیا دے کر گیا اور کیا لے کر گیا۔ ہم نے اس سال میں کیا کھویا اور کیا پایا۔ ایک مومن نے دنیاوی لحاظ سے دیکھنا ہے کہ اس سال میں اس نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ اس کی دنیاوی حالت میں کیا بہتری پیدا ہوئی یا دینی لحاظ سے اور روحانی لحاظ سے دیکھنا ہے کہ کیا کھویا اور کیا پایا اور اگر دینی اور روحانی لحاظ سے دیکھنا ہے تو کس معیار پر رکھ کر دیکھنا ہے تا کہ پتا چلے کہ کیا کھویا اور کیا پایا۔ ہم احمدی خوش قسمت ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود اور مہدی معہود کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی جنہوں نے ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیم کا نچوڑ یا خلاصہ نکال کر رکھ دیا اور ہمیں کہا کہ تم اس معیار کو سامنے رکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ تم نے اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کیا ہے یا پورا کرنے کی کوشش کی ہے یا نہیں؟ اس معیار کو سامنے رکھو گے تو صحیح مومن بن سکتے ہو۔ یہ شرائط

ہیں ان پہ چلوگے تو صحیح طور پر اپنے ایمان کو پرکھ سکتے ہو۔ ہر احمدی سے آپ نے عہد بیعت لیا اور اس عہد بیعت میں شرائط بیعت ہمارے سامنے رکھ کر لائحہ عمل ہمیں دے دیا جس پر عمل اور اس عمل کا ہر روز ہر ہفتے ہر مہینے اور ہر سال ایک جائزہ لینے کی ہر احمدی سے امید اور توقع بھی کی۔ پس ہم سال کی **آخری رات اور نئے سال کا آغاز اگر جائزے اور دعا سے کریں گے تو اپنی عاقبت** سنوارنے والے ہوں گے۔ اور اگر ہم بھی ظاہری مبارکبادوں اور دنیاداری کی باتوں سے نئے سال کا آغاز کریں گے تو ہم نے کھویا تو بہت کچھ اور پایا کچھ نہیں یا بہت تھوڑا پایا۔ اگر کمزوریاں رہ گئی ہیں اور ہمارا جائزہ ہمیں تسلی نہیں دلا رہا تو ہمیں یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہمارا آنے والا سال گزشتہ سال کی طرح روحانی کمزوری دکھانے والا سال نہ ہو۔ بلکہ ہمارا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اٹھنے والا قدم ہو۔ ہمارا ہر دن اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے والا دن ہو۔ ہمارے دن اور رات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عہد بیعت نبھانے کی طرف لے جانے والے ہوں۔ وہ عہد جو ہم سے یہ سوال کرتا ہے کہ کیا

1. ہم نے شرک نہ کرنے کے عہد کو پورا کیا۔ بتوں اور سورج چاند کو پوجنے کا شرک نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ شرک جو اعمال میں ریاء اور دکھاوے کا شرک ہے۔ وہ شرک جو مخفی خواہشات میں مبتلا ہونے کا شرک ہے۔
2. **کیا ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے صدقات، ہماری مالی قربانیاں**، ہمارے خدمت خلق کے کام، ہمارا جماعت کے کاموں کے لئے وقت دینا، خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی بجائے غیر اللہ کو خوش کرنے یا دنیا دکھاوے کے لئے تو نہیں تھا۔
3. ہمارے دل کی چُھپی ہوئی خواہشات اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر کھڑی تو نہیں ہو گئی تھیں۔
4. کیا ہمارا سال جھوٹ سے مکمل طور پر پاک ہو کر اور کامل سچائی پر قائم رہتے ہوئے گزرا ہے؟ یعنی ایسا موقع آنے پر جب سچائی کے اظہار سے اپنا نقصان ہو رہا ہو لیکن پھر بھی سچائی کو نہ چھوڑا جائے۔
5. **کیا ہم نے اپنے آپ کو ایسی تقریبوں سے دُور رکھا ہے** جن سے گندے خیالات دل میں پیدا ہو سکتے ہوں۔ یعنی آجکل اس زمانے میں ٹی وی ہے، انٹرنیٹ ہے۔ یا اس قسم کی چیزیں اور ان پر ایسے پروگرام جو خیالات کے گندہ ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں کیا ان سے ہم نے اپنے آپ کو بچایا؟ اگر ہم ان ذریعوں سے گندی فلمیں اور پروگرام دیکھ رہے ہیں تو ہم عہد بیعت سے دُور ہٹ گئے ہیں اور ہماری

حالت قابل فکر ہے کیونکہ یہ باتیں ایک قسم کے زنا کی طرف لے جاتی ہیں۔

6. **کیا ہم نے بدنظری سے اپنے آپ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے** اور کر رہے ہیں؟ کیونکہ بدنظری کا جہاں تک سوال ہے۔ اس میں یہ جو حکم ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھو اور غضِّ بصر سے کام لو، یہ عورتوں اور مَردوں دونوں کے لئے ہے کیونکہ کھلی نظر سے دیکھنے سے (بدنظری کے) امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

7. کیا ہم نے فسق و فجور کی ہر بات سے اس سال میں بچنے کی کوشش کی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے۔ جب لڑائی جھگڑا ہوتا ہے اس وقت آدمی سخت الفاظ بھی کہہ دیتا ہے اور برے الفاظ بھی کہہ دیتا ہے اور ایک مومن دوسرے مومن سے جب یہ کر رہا ہو تو یہ فسق ہے بلکہ کسی سے بھی جب کر رہا ہو تو یہ فسق ہے۔

8. **پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تاجر فاجر ہوتے ہیں۔** عرض کیا گیا یہ تو حلال ہے۔ تجارت کرنا تو حلال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر جب یہ لوگ سودا بازی کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں اور قسمیں اٹھا اٹھا کر قیمتیں بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے شکر اور صبر نہ کرنے والوں کو بھی فاسق فرمایا۔ پس یہ ہے گہرائی فسق سے بچنے کی۔

9. پھر سوال یہ ہے جو ہم نے اپنے آپ سے کرنا ہے کہ کیا ہم نے اپنے **آپ کو ہر ظلم سے بچا کر رکھا ہے۔** یعنی ظلم کرنے سے بچا کے رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کی ایک ہاتھ زمین بھی دبا لینا۔ تھوڑی سی زمین بھی کسی کی دبا لینا یا کسی کا ایک کنکر جو چھوٹا سا پتھر جو ہے، کنکری، مٹی کا ٹکڑہ، وہ بھی غلط طریق سے لینا ظلم ہے۔

10. کیا ہم نے ہر قسم کی خیانت سے اپنے آپ کو پاک رکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے بھی خیانت نہیں کرنی جو تم سے خیانت کرتا ہے۔

11. کیا ہم نے ہر قسم کے **فساد سے بچنے کی کوشش کی ہے؟** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شریر ترین لوگ فسادی ہیں اور یہ فسادی ہیں جو چغل خوری سے فساد پیدا کرتے ہیں۔ یہاں کی بات وہاں لگائی، اِدھر سے اُدھر بات پھیلائی وہ لوگ فسادی ہیں۔ جو لوگ محبت کرنے والوں کے درمیان بگاڑ پیدا کرتے ہیں وہ فسادی ہیں۔ جو فرمانبردار ہیں، اطاعت کرنے والے ہیں، نظام کی ہر بات کو ماننے والے ہیں یا دین کی ہر بات کو ماننے والے ہیں انہیں کسی غلط کام میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ فسادی ہیں۔ پس فساد کے ہونے کا اور فساد سے بچنے کا یہ

معیار ہے۔

12. کیا ہر قسم کے باغیانہ رویّے سے پرہیز کرنے والے ہم ہیں؟

13. کیا ہم نفسانی جوشوں سے مغلوب تو نہیں ہو جاتے؟ آجکل کے زمانے میں جبکہ ہر طرف بے حیائی پھیلی ہوئی ہے ان نفسانی جوشوں سے بچنا بھی ایک جہاد ہے۔

14. **پھر سوال یہ ہے کہ کیا ہم پانچ وقت نمازوں کا التزام کرتے رہے ہیں۔** سال میں باقاعدگی سے پڑھتے رہے ہیں۔

15. **پھر ہم نے یہ سوال کرنا ہے کہ کیا نماز تہجد پڑھنے کی طرف ہماری توجہ رہی** کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں ارشاد ہے کہ نماز تہجد کا التزام کرو۔ اس میں باقاعدگی پیدا کرنے کی کوشش کرو؟ یہ صالحین کا طریق ہے۔ فرمایا کہ یہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ فرمایا کہ اس کی عادت گناہوں سے روکتی ہے۔ فرمایا کہ برائیوں کو ختم کرتی ہے اور جسمانی بیماریوں سے بھی بچاتی ہے۔

16. **پھر ہم نے یہ سوال کرنا ہے کہ کیا ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی باقاعدہ کوشش کرتے رہے ہیں** یا کرتے ہیں کہ یہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے خاص حکموں میں سے ایک حکم ہے اور یہ دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر درود کے بغیر دعائیں ہیں تو یہ زمین اور آسمان کے درمیان ٹھہر جاتی ہیں۔

17. **پھر سوال ہم نے یہ کرنا ہے کہ کیا ہم باقاعدگی سے استغفار کرتے رہے ہیں؟** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص استغفار کو چمٹا رہتا ہے یعنی باقاعدگی سے کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے اور ہر مشکل سے کشائش کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور اسے ان راہوں سے رزق عطا کرتا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

18. پھر سوال یہ ہے کہ **کیا اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کی طرف ہماری توجہ رہی** کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے بغیر شروع کیا جانے والا کام ناقص رہتا ہے، بے برکت ہوتا ہے، بے اثر ہوتا ہے۔

19. پھر سوال یہ ہے کہ کیا ہم اپنوں اور **غیروں سب کو کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچانے سے گریز کرتے رہے ہیں؟** کیا ہمارے ہاتھ اور ہماری زبانیں دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے بچی رہی ہیں؟

20. کیا ہم عفو اور درگذر سے کام لیتے رہے ہیں؟

21. کیا عاجزی اور انکساری ہمارا امتیاز رہا ہے۔
22. کیا خوشی غمی تنگی اور آسائش ہر حالت میں ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ وفا کا تعلق رکھتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کبھی کوئی شکوہ تو نہیں پیدا ہوا کہ میری دعائیں کیوں قبول نہیں کی گئیں یا مجھے اس تکلیف میں کیوں مبتلا کیا گیا۔ اگر یہ شکوہ ہے تو کوئی انسان مومن نہیں رہ سکتا۔
23. پھر سوال یہ ہے کہ **کیا ہر قسم کی رسوم اور ہوا و ہوس کی باتوں سے ہم نے پوری طرح بچنے کی کوشش** کی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رسوم اور بدعات تمہیں گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں ان سے بچو۔
24. پھر سوال یہ ہے کہ **کیا قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات** اور ارشادات کو ہم مکمل طور پر اختیار کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں؟
25. پھر یہ سوال ہے کہ **کیا تکبر اور نخوت کو ہم نے مکمل طور پر چھوڑا ہے** یا اس کے چھوڑنے کے لئے کوشش کی ہے کہ شرک کے بعد سب سے بڑی بلا تکبر اور نخوت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ متکبر جنت میں داخل نہیں ہو گا اور تکبر یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرے۔ لوگوں کو ذلیل سمجھے۔ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور ان سے بری طرح پیش آئے۔
26. پھر سوال یہ ہے کہ **کیا ہم نے خوش خُلقی کے اعلیٰ معیار حاصل کرنے کی کوشش کی ہے؟**
27. کیا ہم نے حلیمی اور مسکینی کو اپنانے کی کوشش کی ہے؟ مسکینوں کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کتنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ۔ مجھے مسکینی کی حالت میں موت دے اور مجھے مسکینوں کے گروہ میں ہی اٹھانا۔
28. **پھر سوال یہ ہے کہ کیا ہر دن ہمارے اندر دین میں بڑھنے اور اس کی عزت و عظمت قائم کرنے والا بنتا** رہا ہے؟
29. دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد جو ہم اکثر دہراتے ہیں صرف کھوکھلا عہد تو نہیں رہا۔
30. پھر سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کی محبت میں ہم نے اس حد تک بڑھنے کی کوشش کی ہے کہ اپنے مال پر اس کو فوقیت دی۔ اپنی عزت پر اس کو فوقیت دی۔ اور اپنی اولاد سے زیادہ اسے عزیز اور پیارا سمجھا۔
31. پھر ہم نے یہ سوال کرنا ہے کہ **کیا ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہمدردی میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنے**

والے ہیں یا کرتے رہے ہیں؟

32. پھر یہ سوال ہے کہ اپنی تمام تر استعدادوں کے ساتھ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے رہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔

33. پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوقات میں سے وہ شخص بہت پسند ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔

34. پھر یہ سوال ہے کہ کیا یہ دعا کرتے رہے اور اپنے بچوں کو بھی نصیحت کرتے رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اطاعت کے معیار ہمیشہ ہم میں قائم رہیں۔ ہم ہمیشہ آپؑ کی اطاعت کرتے رہیں۔ اعلیٰ معیاروں کے ساتھ اور اس میں بڑھتے بھی رہیں۔

35. پھر یہ سوال ہے کہ **کیا ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق اخوّت اور اطاعت اس حد تک** بڑھایا ہے کہ باقی تمام دنیوی رشتے اس کے سامنے ہیچ ہو جائیں، معمولی سمجھے جانے لگیں۔

36. پھر یہ سوال ہے کہ کیا ہم خلافت احمدیہ سے وفا اور اطاعت کے تعلق میں قائم رہنے اور بڑھنے کی دعا سال کے دوران کرتے رہے؟

37. کیا اپنے بچوں کو خلافت احمدیہ سے وابستہ رہنے اور وفا کا تعلق رکھنے کی طرف توجہ دلاتے رہے اور اس کے لئے دعا کرتے رہے کہ ان میں یہ توجہ پیدا ہو؟

38. پھر سوال یہ ہے کہ **کیا خلیفۂ وقت اور جماعت کے لئے باقاعدگی سے دعا کرتے رہے؟**

اگر تو اکثر سوالوں کے مثبت جواب کے ساتھ یہ سال گزرا ہے تو کچھ کمزوریاں رہنے کے باوجود ہم نے بہت کچھ پایا۔ جتنے سوال مَیں نے اٹھائے ہیں اگر زیادہ جواب نفی میں ہے تو پھر قابل فکر حالت ہے۔ ہمیں اپنی حالتوں پر غور کرنا چاہئے اور اس کا مداوا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان راتوں میں یہ دعا کریں۔ آج کی رات بھی ہے اور کل آخری رات ہے۔ اور مصمّم ارادہ کریں اور ایک عہد کریں اور خاص طور پر نئے سال کے آغاز میں یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری گزشتہ کوتاہیوں اور کمیوں کو معاف فرمائے اور نئے سال میں ہمیں زیادہ سے زیادہ پانے کی توفیق دے۔ ہم کھونے والے نہ ہوں اور ہم ان مومنین میں شامل ہوں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

(خطبہ فرمودہ 30 دسمبر 2016ء خطبات مسرور جلد 14 صفحہ 670-676

الفضل انٹرنیشنل مورخہ 20/ جنوری 2017ء تا 26/ جنوری 2017ء جلد 24 شمارہ 03 صفحہ 05 تا 08)

ارشاد باری تعالیٰ

اگلے جہان کامال

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔(الحشر:19)

ترجمہ:اے مومنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور چاہیئے کہ ہر جان اس بات پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے اور تم سب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔(از تفسیر صغیر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور ہر یک تم میں سے دیکھتا رہے کہ میں نے اگلے جہان میں کون ساماں بھیجا ہے اور اس خدا سے ڈرو جو خبیر اور علیم ہے اور تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے یعنی وہ خوب جاننے والا اور پرکھنے والا ہے اس لئے وہ تمہارے کھوٹے اعمال ہرگز قبول نہیں کرے گا۔‘‘

(ست بچن، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 225،226)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

’’تقویٰ اللہ کا اختیار کرو۔ اور ہر ایک جی کو چاہیئے کہ بڑی توجہ سے دیکھ لے کہ کل کے لئے کیا کیا۔ جو کام ہم کرتے ہیں ان کے نتائج ہماری مقدرت سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس لئے جو کام اللہ کے لئے نہ ہو گا تو وہ سخت نقصان کا باعث ہو گا۔ لیکن جو اللہ کے لئے ہے تو وہ ہمہ قدرت اور غیب دان خدا جو ہر قسم کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے اس کو مفید اور مثمر بثمرات حسنہ بنا دیتا ہے۔‘‘

(حقائق الفرقان، مجموعہ تفسیری نکات حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ جلد4 صفحہ 66)

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں

رَسُوْلَ اللهِ ...قَالَ مَنِ اسْتَوَى يَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ وَمَنْ كَانَ غَدُهُ شَرًّا مِنْ يَوْمِهِ فَهُوَ مَلْعُوْنٌ وَمَنْ لَمْ يَتَعَاهَدِ النُّقْصَانَ مِنْ نَفْسِهِ فَهُوَ فِي نُقْصَانٍ وَمَنْ كَانَ فِي نُقْصَانٍ فَالْمَوْتُ خَيْرٌ لَهُ۔

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، جلد8 صفحہ 31،32 حدیث:11305 مکتبۃ الایمان المنصورہ 2007ء)

رسولِ اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس کے دو دن برابر ہوں وہ گھاٹے میں ہے، اور جس کا آنے والا دن اس کے آج کے دن سے بُرا ہو وہ خدا کی رحمت سے دور ہو گیا، اور جو اپنے نفس میں ہونے والی کمی کا محاسبہ نہیں کرتا وہ خود کمی میں ہے، اور (اس مسلسل محاسبہ میں کمی کی وجہ سے) جو کمی میں ہو اس کے لیے موت بہتر ہے۔“

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں۔ جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔“

(ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ جلد10 صفحہ 120 ایڈیشن 2022ء)

امام الکلام

انسان کو اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ۔(النحل:129) خدا تعالیٰ بھی انسان کے اعمال کا روزنامچہ بناتا ہے۔ **پس انسان کو بھی اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے اور اس میں غور کرنا چاہیئے** کہ نیکی میں کہاں تک آگے قدم رکھا ہے۔ انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں۔ جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔ انسان اگر خدا کو ماننے والا اور اسی پر کامل ایمان رکھنے والا ہو تو کبھی ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ اس ایک کی خاطر لاکھوں جانیں بچائی جاتی ہیں۔

... فنافی اللہ ہو جانا اور اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہیئے کہ اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد، بیوی بچوں، خویش و اقارب اور ہمارے واسطے بھی باعث رحمت بن جاؤ... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمِنۡہُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ ۚ وَ مِنۡہُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡہُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ ۔(الفاطر:33) پہلی دونوں صفات ادنیٰ ہیں۔ سابق بالخیرات بننا چاہیئے۔ ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔ دیکھو ٹھہرا ہوا پانی آخر گندہ ہو جاتا ہے۔ کیچڑ کی صحبت کی وجہ سے بدبودار اور بدمزا ہو جاتا ہے۔ چلتا پانی ہمیشہ عمدہ ستھرا اور مزیدار ہوتا ہے اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو مگر کیچڑ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ ایک ہی مقام پر ٹھہر نہیں جانا چاہیئے۔ یہ حالت خطرناک ہے۔ ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہیئے نیکی میں ترقی کرنی چاہیئے ورنہ خدا انسان کی مدد نہیں کرتا اور اس طرح سے انسان بے نور ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر کار بعض اوقات ارتداد ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے انسان دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت انہیں کے شامل حال ہوتی ہے جو ہمیشہ نیکی میں آگے ہی آگے قدم رکھتے ہیں ایک جگہ نہیں ٹھہر جاتے اور وہی ہیں جن کا انجام بخیر ہوتا ہے۔‘‘ (ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ، جلد 10 صفحہ 120 تا 122 ایڈیشن 2022ء)

کلام الامام

آخری رات اور نئے سال کا آغاز

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”**ہر احمدی شکر کے مضمون کو دل میں رکھتے ہوئے آئندہ سال میں داخل ہو** تا کہ گزشتہ سال اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے جو بے شمار نظارے ہم نے دیکھے ان میں اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق اضافہ فرماتا رہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نیا سال ہمارے لئے ہر لحاظ سے بابرکت اور مبارک فرمائے۔ انسان کی تو سوچ بھی ان انعاموں اور فضلوں اور احسانوں تک نہیں پہنچ سکتی جو اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت پر فرما رہا ہے۔ لیکن ہر احمدی کا یہ فرض بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو یاد رکھتے ہوئے اس کے آگے جھکے، اس کے حکموں پر عمل کرے اور ان حکموں پر عمل کرنے کی انتہائی کوشش کرے، حتی الوسع جس حد تک جس جس کی استعدادیں ہیں اس کو عمل کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے تا کہ یہ برکتیں اور انعامات ہمیشہ جاری رہیں۔ اگر ہم خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے بنے رہے، اس کے حکموں پر عمل کرتے ہوئے نیکیاں بجالاتے رہے، اپنے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے رہے تو پھر یہ وعدہ بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک سال یا دو سال یا تین سال کی بات نہیں ہے بلکہ ان باتوں کی طرف توجہ اور ان امور کی انجام دہی کے بعد پھر تم ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ کے مقرب بن جاؤ گے۔ ہر سال تمہارے لئے برکتیں لے کر آئے گا اور ہر گزشتہ سال تمہارے لئے برکتوں سے بھری جھولیاں چھوڑ کر جائے گا۔ اور پھر یہ اعمال جو ہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان نعمتوں کا وارث بنائیں گے۔“

(خطبات مسرور جلد 4 صفحہ 4 خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 6 جنوری 2006ء)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"ہر احمدی کے سامنے صرف اس دنیا کی خوشیاں اور چاہتیں نہیں ہونی چاہئیں بلکہ اگلے جہان کی فکر ہونی چاہئے، وہاں کے انعامات اور فائدے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا کہ:

"**خدا تعالیٰ بھی انسان کے اعمال کا روزنامچہ بناتا ہے۔**..." روز کے روز اعمال لکھے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ "...**پس انسان کو بھی اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہئے**۔..." خود بھی انسان کو کوشش کرنی چاہئے کہ دیکھے آج سارے دن میں میں نے کیا نیکیاں کی ہیں اور کیا برائیاں کی ہیں۔ کن باتوں پر، نیکیوں پر عمل کیا ہے اور کن پر نہیں کیا۔ فرمایا "...اور اس میں غور کرنا چاہئے..." صرف تیار نہیں کر لینا، بلکہ غور کریں تب ہی انسان نیکیوں کی طرف جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا "...کہ نیکی میں کہاں تک آگے قدم رکھا ہے۔..." یہ دیکھو۔ "...**انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں**۔ جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔..." فرماتے ہیں، "اگر برابر کیا تو کوئی فائدہ نہیں یہ تو نقصان ہے۔"... انسان اگر خدا کو ماننے والا اور اسی پر کامل ایمان رکھنے والا ہو تو کبھی ضائع نہیں کیا جاتا۔"

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 120،121 ایڈیشن 2022ء)

پس یہ بہت سوچنے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ جب ہم پر فضل فرما رہا ہے تو اس کی شکر گزاری ہم پر فرض ہے۔ پس وہ لوگ جو اپنے دنیاوی کاروباروں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے حق کو اور اپنی عبادتوں کو بھول گئے ہیں یا اس پر وہ توجہ نہیں جو ہونی چاہئے وہ اپنے جائزے لے لیں کہ ہمارا عہد بیعت کیا ہے اور ہمارے عمل کیا ہیں۔ اور جو یہاں نئے آئے ہیں وہ بھی یاد رکھیں کہ دنیا میں ڈوبنا ترقی نہیں ہے بلکہ تباہی ہے۔ اور انہوں نے ہمیشہ اس بات کو سامنے رکھنا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہوں۔ مسجدوں کے حق ادا کرنے والے ہوں اللہ کی عبادت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 19 اکتوبر 2018ء۔ خطبات مسرور جلد 16 صفحہ 504)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تعارف کتاب

السیرۃ النبویہ صلی اللہ علیہ وسلم معروف بہ

”سیرت ابن ہشام“

(ابو اشعر)

مصنّف عَبۡدُ الۡمَلِكِ بِنۡ هِشَام (متوفّٰی 213 یا 218ھ)

مصنف کا نام اور ولدیت: عَبۡدُ الۡمَلِكِ بِنۡ هِشَام بن ایوب حِمۡیَرِی مَعَافِرِی

کنیت: ابو محمد

مختصر حالات زندگی:

ابنِ هِشَام کی تاریخ پیدائش کا کوئی معین ذکر نہیں ملتا۔ غالباً دوسری صدی کے پہلے رُبَع کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ حِمۡیَر کی شاخ مَعَافِر سے تھا، جو یمن کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد مصر چلی آئی تھی۔ ابو سعید بن یونس (م347ھ) نے ان کو ذُهۡلِی اور حافظ ابن حجر (852ھ) نے سَدُوۡسِی کہا ہے۔ یہ دونوں قبائل بھی یمنی یا جنوبی عرب کے تھے۔

ابنِ ھِشَام بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، پھر مصر آئے اور عمر کا باقی حصہ مصر میں گزارا۔ کسی تیسری جگہ ان کے جانے کا ذکر نہیں ملتا، لیکن یہ ممکن نہیں کہ ابنِ ھِشَام کی زندگی ان دونوں جگہوں تک محدود تھی، خاص طور پر اس دور میں جب علم زیادہ تر سن کر حاصل کیا جاتا تھا اور طلبِ علم کے لیے سفر کرنا علماء کی عادت تھی۔ حافظ ابن حجر (852ھ) کے مطابق ابنِ ھِشَام نے زیاد بکائی سے ابن اسحاق کی سیرت کی سماعت کوفہ میں کی تھی۔ اس بنا پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ابنِ ھِشَام نے اپنے عہد کی علمی روایات کے مطابق مختلف مراکز میں مختلف شیوخ سے تحصیل علم کی ہوگی۔ (السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام مقدمہ صفحہ 14 دارالکتب العلمیہ 2001ء۔ سیرت نگاری آغاز وارتقاء۔ نگار سجاد ظہیر صفحہ 236، 237 قرطاس 2010ء۔ مصادرِ سیرتِ نبوی حصہ اول صفحہ 84 دارالنوادر 2016ء۔ سیرت النبی ﷺ (کامل) ابنِ ہِشَام مترجم سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی جلد اول صفحہ 21 ادارہ اسلامیات 1994ء)

ابنِ ھِشَام کے والد ھِشَام اور دادا ایوب صاحب علم تھے اور تاریخ کا ذوق رکھتے تھے۔ (سیرت نگاری آغاز وارتقاء۔ نگار سجاد ظہیر صفحہ 236-237 قرطاس 2010ء)

اساتذہ: سیرت النبی میں درج ذیل شیوخ واساتذہ سے استفادہ کیا۔

زِیَاد بِنْ عَبْدُاللہ بَکَّائِی (م183ھ) عبد الوارث بن سعید تَنُّورِی (م 180 ھ) عبد اللہ بن وَھْب (م 197ھ) یونس بن حبیب نحوی (م 182ھ) ابو زید انصاری (م215ھ) ابو عبیدہ مَعْمَر بن مَثْنیٰ (م 209ھ) أَبُو مُحْرِز خَلَفُ الْأَحْمَر (م180ھ) ابو بکر الزبیری (م184ھ) محمد بن ادریس شافعی (م 204ھ) قاضی عمر بن حبیب بصری (م207ھ) خلاد بن قرہ بن خالد سَدُوْسِی اور مسلمہ بن علقمہ مَازِنِیؒ۔

(نقوش رسول نمبر جلد 1 شمارہ نمبر 130 دسمبر 1982ء صفحہ 460)

علمی منزلت: ابنِ ھِشَام لغت، نحو، ادب اور علم انساب کے ماہر تھے۔ علم وفضل میں بلند مقام اور عربی زبان میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تاریخ کے بہت جاننے والے تھے۔ ابنِ ھِشَام وہ سیرت نگار ہیں جن تک سیرت ابنِ اسحاق پہنچی، یہاں تک کہ ان کا نام سیرت پر چھا گیا اور سیرت انہیں کے نام سے پہچانی جانے لگی۔

علامہ ذہبی (م748ھ) اور علامہ ابن کثیر (م774ھ) کے مطابق جب ابنِ ھِشَام مصر آئے تو امام شافعی (م204ھ) سے ملے اور دونوں نے عربی اشعار پر تبادلہ خیال کیا۔

ابو سعید بن یونس مصری (281ھ تا 347ھ) اور معروف سیرت نگار شبلی نعمانی (م 1914ء) نے ان کو ثقہ (قابل اعتماد) اور نامور محدث اور مؤرخ قرار دیا ہے۔

(وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان لابن خلکان جلد 3 صفحہ 177 دار صادر بیروت۔ تذکرۃ المصنفین حبیب الرحمٰن مظاہری خیر آبادی (م1933ء)

صفحہ 191 مکتبہ نعیمیہ۔ تاریخ ابن یونس جلد 2 صفحہ 137 دارالکتب العلمیہ بیروت 2000ء۔ السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام مقدمہ صفحہ 14 دارالکتب العلمیہ 2001ء۔ سیرت النبی از شبلی حصہ اول صفحہ 45 مکتبہ اسلامیہ 2012ء۔ حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر والقاھرۃ جلد 1 صفحہ 531 دار اِحیاء الکتب العربیہ 1967ء۔ سیر أعلام النبلاء جلد 10 صفحہ 429 مؤسسۃ الرسالہ 1996ء)

تصنیفات: سیرت ابنِ ھِشَام کے علاوہ دو کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ شَرْحُ مَا وَقَعَ فِي أَشْعَارِ السِّيرَةِ مِنَ الْغَرِيبِ(سیرت کے اشعار میں آنے والے مشکل الفاظ کی شرح) كِتَابُ التِّيجَانِ لِمَعْرِفَةِ مُلُوكِ الزَّمَانِ(کتاب ''التیجان'' زمانے کے بادشاہوں کے جاننے کیلئے)اس کانام اَنْسَابُ حِمْيَر وَمُلُوْكُهَا(قبیلہ حِمْیَر اور ان کے بادشاہوں کے نسب کے بارے میں ہے) بھی ملتا ہے۔

(بغیۃ الوعاۃ في طبقات اللغويين والنحاۃ جلد 2 صفحہ 115 المکتبۃ العصریہ لبنان۔ السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام مقدمہ صفحہ 14 دارالکتب العلمیہ)

وفات: آپ نے مصر میں وفات پائی اور فسطاط میں تدفین ہوئی۔ آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ:

ابوسعید بن یونس(م347ھ) نے اپنی کتاب تاریخ مصر میں لکھاہے کہ ابنِ ھِشَام نے 13ربیع الآخر 218ھ میں وفات پائی۔ البتہ کتاب اَلرَّوضُ الْاُنُف میں علامہ سُھَیْلِی (م581ھ) نے بیان کیا ہے کہ ابنِ ھِشَام کی وفات 213ھ میں ہوئی۔

علامہ ابن کثیر(774ھ) بیان کرتے ہیں: صحیح بات یہی ہے کہ وہ 218ھ میں فوت ہوئے، جیسا کہ ابوسعید بن یونس نے بیان کیا ہے۔

(سیر أعلام النبلاء جلد 10 صفحہ 429 مؤسسۃ الرسالہ 1996ء۔ البدایہ والنھایہ جلد 14 صفحہ 235 دار ہجر 1998ء۔ سیرت النبی ﷺ (کامل) ابنِ ہِشَام مترجم سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی جلد اول صفحہ 21 ادارہ اسلامیات 1994ء۔ حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر والقاھرۃ جلد 1 صفحہ 531 دار اِحیاء الکتب العربیہ 1967ء وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان لابن خلکان جلد 3 صفحہ 177 دار صادر بیروت)

حضرت صاحبزادہ مرزابشیر احمد صاحب ایم اےؓ نے سیرت خاتم النبیین میں ابنِ ھِشَام کی وفات 213ہجری بیان کی ہے۔(سیرت خاتم النبیین صفحہ 33)

مقام ومرتبہ:

سیرت نگاری کے موضوع پر قدیم ترین تالیفات میں سے جو ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک علامہ ابومحمد عبدالملک بن ھِشَام کی شہرہ آفاق کتاب ''السیرۃ النبویہ'' ہے محققین ومؤرخین نے اسی تالیف کے سبب ابنِ ھِشَام کے سر پر شہرتِ عام اور بقائے دوام کا سہرا باندھا ہے اور ہر دور کے سیرت نگاروں اور مؤرخوں نے اس لافانی تالیف سے بھرپور

استفادہ کیا ہے۔(مسلمان تاریخ نویس شیخ سعید اختر صفحہ 4 قومی کتب خانہ لاہور 1976ء)

ابنِ ہِشَام نے رسول اللہ ﷺ کی مغازی و سیر مصنفہ ابن اسحاق کی تہذیب اور تلخیص کی، اسلئے آپ کی طرف منسوب ہو کر سیرت ابنِ ہِشَام بولی جاتی ہے۔ ورنہ کتاب کا اصل نام السیرۃ النبویہ ہے۔(تذکرۃ المصنفین حبیب الرحمٰن مظاہری خیر آبادی(م1933ء)صفحہ 191 مکتبہ نعیمیہ)

ابنِ ہِشَام نے سیرت زِیَادِ بِنْ عَبْدُاللہ بَکَّائِی (م183ھ) سے روایت کی جو ابنِ اسحاق (م151ھ) کے شاگرد تھے۔ایک سند سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ ہِشَام نے زیاد بَکَّائِی کے علاوہ ابن اسحاق کے دوسرے شاگردوں سے بھی استفادہ کیا تھا۔جیسا کہ ذکر آتا ہے: قَالَ ابْنُ هِشَامٍ: وَذَكَرَ غَيْرُ زِيَادٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ. ابنِ ہِشَام نے کہا: اور محمد بن اسحاق سے، زیاد کے علاوہ کسی اور نے بیان کیا۔

(سیرت نگاری آغاز وارتقاء۔ نگار سجاد ظہیر صفحہ 238 قرطاس 2010ء۔السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 523 دارالکتب العلمیہ)

راویانِ سیرت:

ابنِ ہِشَام کی سیرت کو ان سے درج ذیل شاگردوں نے روایت کیا۔

محمد بن عبد اللہ (م249ھ)　　احمد بن عبد اللہ (م270ھ)　　عبد الرحیم بن عبد اللہ (م286ھ)

یہ تینوں بھائی تھے۔ان کے والد عبد اللہ بن عبد الرحیم بَرْقی تھے۔علامہ ذہبی نے ان کے علاوہ محمد بن حسن قَطَّان کا بھی راویان سیرت میں ذکر کیا ہے۔(نقوش رسول نمبر جلد 1 شمارہ نمبر 130 دسمبر 1982ء صفحہ 463-464۔ سیر أعلام النبلاء جلد 10 صفحہ 429 مؤسسۃ الرسالہ 1996ء)

منہج: ابنِ ہِشَام نے اپنی سیرت نبویہ کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک سے کیا ہے۔

ابنِ ہِشَام اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: وہ تمام امور جن کا ذکر ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں کیا ہے لیکن ان کا سیرت نبوی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ قرآن میں اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی اس کتاب میں اس کا کوئی سبب یا تفسیر ہے اس کو میں اس کتاب میں ذکر نہیں کروں گا۔اس طرح ابنِ ہِشَام نے تمام غیر متعلقہ امور اور غیر مستند چیزیں اس کتاب میں سے خارج کر کے یہ کتاب از سر نو مرتب کی ہے۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 21 تا 23 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

حسن ترتیب اور جامعیت: سیرت ابنِ ہِشَام کتاب کا سب بڑا وصف حسن ترتیب اور جامعیت ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت، رضاعت، طفولیت کے حالات، عنفوان شباب، حضرت خدیجہؓ سے نکاح، نبوت کے منصب پر سرفرازی، مخالفین کا ردعمل، ہجرت مدینہ، یہودیوں سے عہد نامہ اور سلسلہ مؤاخات کا قیام، بدر، احد اور احزاب کے معرکے،

فتح مکہ ، متعدد غیر معروف غزوات و سرایا کی تفاصیل، حضور ﷺ کی علالت و وفات، آنحضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے سوانح۔ الغرض سیرت نبوی کے ہر پہلو پر فاضل مصنف نے قلم اٹھایاہے اور اس پر مستند و معتبر مواد پیش کیاہے۔

ابن اسحٰق کی سیرت تین حصوں پر مشتمل تھی۔ مبتدا، مبعث اور مغازی۔ ابنِ ھِشَام نے ابن اسحٰق کی کتاب کے پہلے حصے یعنی المبتداء سے تاریخ کائنات، وحی و رسالت کی تاریخ، عہد جاہلیت میں یمن کی تاریخ اور عرب قبائل کی تاریخ کو حذف کر دیااور حضرت اسماعیل کے بعد سے مختصر بیان کرکے معد بن عدنان اور پھر رسول اللہ کے قبیلہ قریش اور قُصَیّ بِنْ کِلَابْ پر آگئے۔ جو روایتیں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے قریبی مناسبت نہ رکھتی تھیں ، انہیں اپنی تالیف سے خارج کر دیا۔

(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 148 دارالکتب العلمیہ 2001ء۔ مسلمان تاریخ نویس شیخ سعید اختر صفحہ 4 قومی کتب خانہ لاہور 1976ء۔ سیرت نگاری آغاز وارتقاء۔ نگار سجاد ظہیر صفحہ 237 قرطاس 2010ء۔ نقوش رسول نمبر جلد 1 شمارہ نمبر 130 دسمبر 1982ء صفحہ 469)

1۔ الْأُخْدُودُ زمین میں ایک لمبی گہری کھائی، جیسے خندق یانالی یاانہیں کی طرح کی۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 44 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

2۔ لِيُوَاطِئُوا کا مطلب ہے تاکہ وہ موافقت کریں۔اور الْمُوَاطَأَة کے معنی ہیں: موافقت(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 50)

3۔ الْقَصَب سے مراد سوراخ والے موتی ہیں۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 183)

4۔ اصْدَعْ کا مطلب ہے۔ حق اور باطل کے درمیان فرق ظاہر کردو۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 199)

5۔ الْعِضِينَ کا واحد عِضَة ہے، عَضَّوْهُ یعنی انہوں نے اسے ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 205)

ابنِ ہِشام نے سیرتِ نبوی ﷺ میں اشعار کو نہایت تحقیق، دیانت اور احتیاط کے ساتھ منتخب کیااور ہر وہ شعر یا قصیدہ جو غیر معتبر یاسیرتِ نبوی کے موضوع سے غیر متعلق تھا کو حذف کر دیا۔

حواشی اور تعلیقات:

سیرت ابن اسحٰق کی روایت کی تلخیص اور تہذیب کے بعد ابنِ ھِشَام نے نہایت اہتمام اور تحقیق سے اس پر حواشی اور تعلیقات لکھیں جن کی وجہ سے سیرت کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ یہ حواشی اکثر قَالَ ابْنُ هِشَامٍ کے ساتھ ہیں۔ یہ حواشی ضرورت اور موقع کے لحاظ سے مختصر بھی ہیں اور طویل بھی۔ سب سے طویل حاشیہ ازواج مطہرات پر ہے جو تقریبا چار صفحات پر مشتمل ہے۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 891-894 دارالکتب العلمیہ 2001ء۔ نقوش رسول نمبر جلد 1 شمارہ نمبر 130 دسمبر 1982ء صفحہ 472)

الفریڈ گیلوم (Alfred Guillaume) (م1965ء) نے IBN HISHAM'S NOTES کے عنوان کے ساتھ ان حواشی کی تعداد 912 بیان کی ہے۔

(The Life of Muhammad a translation of Ishaq,s Sirat Rasul Allah.pg 691 to 798 Oxford University Press 1955)

آنحضرت ﷺ کی وفات پر ابن اسحٰق کی روایت سے حضرت حسان بن ثابتؓ کے اشعار ذکر کرنے سے قبل ابوزید انصاری کی روایت سے حضرت حسانؓ کے دو طویل اور مستند مرثیے نقل کئے ہیں۔(السیرۃ النبویہ ابن ہِشَام صفحہ 907،903 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

ابنِ ہِشَام نے اپنے حواشی میں ابن اسحٰق کی بعض جگہ پر تصحیح کی ہے مثلاً ابن اسحٰق نے قطبہ بن عامر کا نسب اس طرح بیان کیا: قُطْبَة ابْن عَامِرِ بْنِ حَدِيدَة بْنِ عَمْرِو بْنِ غَنْمِ بْنِ سَوَادِ۔

ابنِ ہِشَام نے اس کے متعلق لکھا: عَمْرُو بْنُ سَوَادٍ، وَلَيْسَ لِسَوَادٍ ابْنٌ يُقَالُ لَهُ: غَنْمٌ۔

ترجمہ: سَوَاد کا بیٹا عَمْرو تھا اور سَوَاد کا کوئی بیٹا نہیں تھا جس کا نام غنم ہو۔(السیرۃ النبویہ ابن ہِشَام صفحہ 307-308 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

اسی طرح عبد الرحمان جُعْشُمِی کا نسب ابن اسحٰق نے یہ لکھا: عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنَ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ۔

ابنِ ہِشَام نے اس کی تصحیح یوں کی ہے: عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ۔ یعنی عبد الرحمن مالک کے بیٹے نہیں ہیں جیسا کہ ابن اسحٰق کے نسب سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ پوتے ہیں ان کے باپ کا نام حارث ہے۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 345،347 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

بعض غلطیوں کا تعلق سیرت کے واقعات سے ہے مثلاً ابن اسحٰق نے حارث بن سُوَیْد کے متعلق بیان کیا ہے کہ اس نے غزوہ اُحد میں حضرت مُجَذَّرؓ بن ذِیَاد بَلَوِی اور بَنِی ضُبَیْعَة کے ایک فرد حضرت قیسؓ بن زید کو قتل کیا تھا۔ لیکن ابنِ ہِشَام کے نزدیک صرف حضرت مُجَذَّرؓ کو قتل کیا تھا۔ ابنِ ہِشَام کہتے ہیں: حارث بن سُوَیْد نے مُجَذَّرؓ بن ذِیَاد کو قتل کیا تھا، اور قیس بن زید کو قتل نہیں کیا تھا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ابن اسحاق نے قیس بن زید کو شہدائے اُحد میں ذکر نہیں کیا، اور حارث نے صرف مُجَذَّرؓ کو قتل کیا تھا، کیونکہ حضرت مُجَذَّرؓ بن ذِیَاد نے حارث کے والد سُوَیْد کو قتل کیا تھا۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 538،539 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

ابن اسحٰق کی مرویات پر ابنِ ہِشَام نے جو قابل قدر اضافے کئے ہیں ان میں سے چند کا ذکر بطور مثال کیا جاتا ہے۔

ابن اسحٰق نے غزوہ بدر کے قیدیوں میں 43 اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں: جن قیدیوں کے بارے میں

ہمیں یاد ہے، ان کی مجموعی تعداد تینتالیس مرد ہے۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 484 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

ابنِ هِشَام نے اس تعداد پر 23 کا اضافہ کیا ہے۔ اور مَا فَاتَ ابْنُ إِسْحَاقَ ذِكْرَهُمْ (ابن اسحٰق سے جن کا ذکر رہ گیا) کے عنوان سے ان کا ذکر ہے۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 484-485 دارالکتب العلمیہ 2001ء۔ السیرۃ النبویہ جلد 2 صفحہ 7 مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ بمصر 1955ء)

اسی طرح غزوۂ اُحد میں جو مسلمان شہید ہوئے ان کی تعداد ابن اسحٰق نے پینسٹھ بیان کی ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو مسلمان مہاجرین اور انصار میں سے شہید ہوئے، ان کی مجموعی تعداد پینسٹھ مرد تھی۔

ابنِ هِشَام نے یہ تعداد ستر بیان کی ہے اور ان کے نام بھی لکھے ہیں۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 560 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

اسیران بدر میں حضرت عباسؓ کا نام: اسیران غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ بن عبد المطلب بھی شامل تھے۔ ابنِ هِشَام نے ان کے نام کو نہیں گنوایا مگر یہ وضاحت کر دی کہ اس فہرست میں ایک اور شخص بھی شریک تھا جس کا نام ہم نے نہیں لیا ہے۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 484 دارالکتب العلمیہ 2001ء۔ مصادرِ سیرتِ نبوی حصہ اول صفحہ 92 دارالنوادر 2016ء)

حذفِ مواد کے بعد ابنِ هِشَام نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر متن کے الفاظ میں ضروری ترمیم بھی کی۔ مثلاً حارث بن هِشَام بن مُغِيْرَه کے ایک قصیدہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہوں نے ابن اسحاق کی روایت میں سے دو الفاظ بدل دیے، الْفَخْرُ کے ساتھ شعر کے آخر میں، اور فَمَا لِحَلِيْمٍ سے شعر کے شروع میں، کیونکہ پہلے دونوں الفاظ میں نبی کریم ﷺ کے خلاف نازیبا الفاظ تھے۔(السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام صفحہ 487 دارالکتب العلمیہ 2001ء)

یوں ابنِ هِشَام کی تلخیص اور ضروری اضافوں کے ساتھ مغازی ابن اسحاق کا ایک تلخیص شدہ، نیا ورژن سامنے آیا جو اسقدر مقبول ہوا کہ لوگ سیرت ابن اسحٰق سے بے نیاز ہو گئے اور سیرت ابنِ هِشَام کی شرح کو دوام حاصل ہو گیا۔(سیرت نگاری آغاز و ارتقاء۔ نگار سجاد ظہیر صفحہ 238 قرطاس 2010ء۔ مسلمان تاریخ نویس شیخ سعید اختر صفحہ 4 قومی کتب خانہ، لاہور 1976ء)

ڈاکٹر انور محمود خالد (1921ء) بیان کرتے ہیں:

ابو محمد عبد الملک بن هِشَام (متوفی 213ھ یا 218ھ) اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''سیرۃ رسول اللہ'' کی وجہ سے رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے، کیونکہ اولین کتب سیرت میں ان کی کتاب کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ پوری کی پوری ہم تک پہنچی ہے۔ یہ کتاب دراصل محمد بن اسحٰق کی "کتاب المغازی" کی ایک بہتر شکل ہے۔ ابنِ هِشَام نے اس قدر فن کارانہ مہارت اور سلیقے سے ابن اسحاق کی کتاب کی تہذیب و اصلاح کی ہے کہ اب اس کتاب کی موجودگی میں ابن اسحٰق کی کتاب المغازی

کے ناپید ہونے کا افسوس نہیں رہتا۔ بعض مستشرقین (مثلاً سر ولیم میور اور الفریڈ گیام) نے ابن اسحاق کی بعض روایات اپنی کتاب میں شامل نہ کرنے پر ان کی ثقاہت کے بارے میں اعتراضات کیے ہیں، لیکن بیشتر قدیم علماء ابنِ ہِشَام کو نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مؤرخ تسلیم کرتے ہیں۔

(اردو نثر میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ڈاکٹر انور محمود خالد صفحہ 114-115 اقبال اکادمی پاکستان لاہور 1989ء)

سیرت ابنِ ہِشَام کی شروح:

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں:

"اَلرَّوْضُ الْاُنُف مصنّفہ عبد الرحمن بن عبد اللہ سُہَیلی (508ھ تا 581ھ) یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور سیرۃ ابنِ ہِشَام کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے۔" (سیرت خاتم النبیین صفحہ 40)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی (م 855ھ) نے ابنِ ہِشَام کی سیرت کے بڑے حصہ کی شرح کی اور اس کا نام "کَشْفُ اللِّثَامِ فِی شَرْحِ سِیرَۃ ابْنِ ہِشَامٍ" رکھا۔

سیرۃ ابنِ ہِشَام کے مشکل الفاظ کی شرح "اَلْاِمْلَاءُ الْمُخْتَصَر فِی شَرْحِ غَرِیْبِ السِّیَر" کے نام سے ابو ذر مصعب بن محمد بن مسعود الخُشَنِي (م 604ھ) نے لکھی۔ دار البشیر للنشر والتوزیع عمان سے 1991ء میں شائع ہوئی۔

یوسف بن احمد بن عبد الہادی ابْنُ المِبْرَد (م 909ھ) نے اس کی شرح "اَلْمِیْرَۃُ فِی حَلِّ مُشْکِلِ السِّیْرَۃ" کے عنوان سے لکھی۔

قاضي ابو ولید ہِشَام بن احمد وقشي (م 489ھ) نے بھی سیرت ابنِ ہِشَام کی شرح لکھی۔

سیرت ابنِ ہِشَام منظوم شکل میں:

ابو نصر فتح بن موسی خضراوي القَصْرِی (م 663ھ) اور عبد العزیز بن احمد سَعْد دِیْرِیْنِي (م 697ھ) نے "سیرت ابنِ ہِشَام" کو نظم کیا۔ اور ابو اسحاق ابراہیم بن ابي بکر بن عبد اللہ ابو اسحاق انصاري التِّلِمْسَانِي (699ھ) نے قافیۂ لام پر نظم کیا۔

فتح الدین محمد بن ابراہیم ابْنُ الشَّہِید (م 793ھ) نے 10 ہزار سے زائد اشعار میں سیرت کو نظم کیا اور اس کا نام "فَتْحُ الْقَرِیْبِ فِی سِیْرَۃ الْحَبِیْبِ" رکھا۔

سیرت ابنِ ہِشَام کا اختصار:

1۔ برہان الدین ابراہیم بن محمد مُرَحَّل شافعی نے کتابِ سیرت کا اختصار کیا اور اس کا نام "الذّخیرۃ فِی مُخْتَصَر السِّیْرَۃ" رکھا۔ 611 ہجری میں یہ کام مکمل کیا۔

2۔ ابو العباس احمد بن ابراہیم واسطی (م 711ھ) نے سیرت ابنِ ہِشَام کو خلاصہ کی صورت میں پیش کیا اور اس کتاب کا نام "مُخْتَصر سِيْرَة ابْن هِشَام" رکھا۔

3۔ المؤید باللہ یحییٰ بن حمزہ بن علی (م 745 یا 749 ھ) نے اس کی تلخیص "خلاصۃ السیرۃ" "تَلْخِيْص سِيْرَة ابْنِ هِشَام" کے نام سے کی۔

4۔ محمد بن ابی بکر کنانی ابن جماعہ (م 819ھ / 1416ء) نے سیرت کا خلاصہ "مختصر السيرة النبوية" کے نام سے لکھا۔

5۔ عبد السلام محمد ہارون نے اس کی تہذیب "تہذیب سیرۃ ابنِ ہِشَام" کے عنوان سے کی۔ اس کا اردو ترجمہ محمد انور نظامی مصباحی نے "مختصر سیرت ابنِ ہِشَام" کے نام سے کیا ہے۔

6۔ احمد بن عثمان مزید نے "مُخْتَصر السِّيْرَة النبويه لابْن هِشَام" کے نام سے اس کا اختصار کیا۔ اس کے 257 صفحات ہیں۔ 2017ء میں مدار الوطن للنشر ریاض سے شائع ہوئی۔

(کشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون جلد 2 صفحہ 1012 دار إحياء التراث العربي۔ سیرت نگاری آغاز و ارتقاء، نگار سجاد ظہیر صفحہ 236،239 قرطاس 2010ء۔ السیرۃ النبویہ ابنِ ہِشَام مقدمہ صفحہ 10،11 دار الکتب العلمیہ 2001ء)

اردو تراجم:

1۔ محمد انشاء اللہ خان ایڈیٹر اخبار وطن، لاہور نے مولوی محمد حلیم رُوَوْلَوِی کی مدد سے تیار کروایا تھا جو 3 حصوں میں "سیرت الرسول ﷺ" کے نام سے شائع ہوا۔ پہلا حصہ 1913ء اور دوسرا حصہ 1914ء میں شائع ہوا۔

2۔ سیرت النبی ﷺ (کامل) ابنِ ہِشَام کے نام سے ادارہ اسلامیات لاہور سے 1994ء میں 2 جلدوں میں شائع ہوا۔ مترجم سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی ہیں۔ اس کے 907 صفحات ہیں۔ اس سے پہلے یہ ترجمہ 1915ء میں شائع ہوا تھا جسے لاہور سے مولوی رحیم بخش تاجر کتب مسجد چینیاں والی نے شائع کیا تھا۔

3۔ سیرت ابنِ ہِشَام کے نام سے اسلامی کتب خانہ لاہور سے 3 جلدوں میں شائع ہوا۔ اس کے 1116 صفحات ہیں۔ مترجم قطب الدین احمد محمودی ہے۔ اس سے پہلے یہ ترجمہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے دو جلدوں میں 1948ء اور 1949ء میں شائع ہوا تھا۔

4۔ سیرۃ ابنِ ہِشَام کے نام سے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کا ترجمہ جو انہوں نے 30 اپریل 1961ء کو مکمل کیا۔ 664 صفحات پر مشتمل ہے اور مقبول اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے شائع ہوا۔

5۔ سیرت النبی ﷺ ابنِ ہِشَام کے نام سے مکتبہ رحمانیہ سے 2 جلدوں میں شائع ہوا۔ ترجمہ کا اکثر حصہ قطب

الدین محمودی کا تحریر کردہ ہے اور غزوۂ احد سے آخر تک کا ترجمہ سید محمد یٰسین علی حسنی نظامی کا تحریر کردہ ہے۔

6۔ سیرۃ النبی ﷺ کامل کے نام سے علمی پرنٹنگ پریس لاہور سے 1962ء میں شائع ہوا۔ مترجم عبدالجلیل صدیقی ہیں۔ حصہ دوم کے 828 صفحات ہیں۔ اس کے بعد شیخ غلام علی اینڈ سنز ایجوکیشنل پبلیشرز، لاہور سے دو حصوں میں شائع ہوا۔ پہلا حصہ 856 اور دوسرا حصہ 828 صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، نئی دہلی سے 1985ء میں دو حصوں میں شائع ہوا۔ پہلا حصہ 890 اور دوسرا حصہ 833 صفحات پر مشتمل ہے۔

7۔ محمد احسان الحق سلیمانی کا ترجمہ جو اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی سے 2008ء میں شائع ہوا۔ اس کے 736 صفحات ہیں۔

انگریزی ترجمہ:

Title: The life of Muhammad a translation of Ishaq’ s Sirat Rasul Allah

مصنف: الفریڈ گیلوم Alfred Guillaume (8 November 1888-30 November 1965(

1955ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوا۔ تقریباً 800 صفحات ہیں۔ سیرت ابن اسحاق کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ صفحہ 691 تا 798 پر IBN HISHAM’S NOTES شامل ہیں۔ اس طرح یہ انگریزی ترجمہ سیرت ابن اسحاق کا بھی ہے اور سیرت ابنِ ہِشَام کا بھی ہے۔

جرمن ترجمہ:

گستاف ویل (Gustav Weil) (1808–1889) نے کیا۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ 764 صفحات ہیں۔ 1864ء میں جرمنی کے شہر Stuttgart سے شائع ہوا۔

Title:Das Leben Mohammed's nach Mohammed Ibn Ishak bearbeitet Abdel-Malik Ibn Hischam.

مفہوماً ترجمہ: محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق محمد ﷺ کی سیرت مرتب کردہ عبدالملک بن ہِشَام

عربی زبان میں اشاعت:

سیرت ابنِ ہِشَام کی بکثرت اشاعت ہوئی بعض کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

1۔ بولاق (مصر) سے 1259ھ بمطابق 1843ء میں۔

2۔ جرمنی کے شہر گوٹنگن (Göttingen) سے 1858ء میں مستشرق فرڈیننڈ وسٹنفیلڈ (Ferdinand

(Wüstenfeld)(1808-1899) نے چھپوایا۔

3۔ المطبعۃ السنیۃ بولاق سے 1295ھ بمطابق 1878ء میں تین جلدوں میں۔ جلد اول 216، جلد ثانی 225 اور جلد ثالث 108 صفحات پر مشتمل ہے۔

4۔ مصر میں مطبع خیریہ سے 1329ھ بمطابق 1911ء میں۔

5۔ مصطفی السقا، ابراہیم ابیاری اور عبد الحفیظ شلبی کی تحقیق کے ساتھ دار المعرفہ بیروت سے 2000ء سے ایک جلد میں چار اجزاء میں شائع ہوئی جو 1238 صفحات پر مشتمل ہیں۔

6۔ شیخ فؤاد بن علی حافظ کی تحقیق کے ساتھ دار الکتب العلمیہ سے چار اجزاء میں شائع ہوئی۔ پہلا جزء 304، دوسرا جزء 280، تیسرا 212 اور چوتھا 320 صفحات پر مشتمل ہے۔

7۔ مصطفی السقا، ابراہیم ابیاری اور عبد الحفیظ شلبی کی تحقیق کے ساتھ دار الکتب العلمیہ بیروت سے 2001ء میں شائع ہوئی۔ 907 صفحات پر مشتمل ہے۔

8۔ دار ابن حزم بیروت سے 2009ء میں شائع ہوئی۔ 726 صفحات پر مشتمل ہے۔

9۔ مکتبۃ المعارف سے 2014ء میں شائع ہوئی جو 776 صفحات پر مشتمل ہیں۔

10۔ مصطفی السقا، ابراہیم ابیاری اور عبد الحفیظ شلبی کی تحقیق کے ساتھ دار ابن کثیر سے 2019ء میں شائع ہوئی جو 1377 صفحات پر مشتمل ہیں۔

علماء کے تاثرات:

علامہ سیوطی (م 911ھ) نے ابوذر کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"وہ مختصر کتابیں جنہیں امہات پر فوقیت حاصل ہوگئی، وہ چار ہیں: زبیدی کی مختصر العین، الزجاجی کی مختصر الزاہر، ابنِ ہِشَام کی مختصر سیرت ابن اسحاق، اور فضل بن سلمہ کی مختصر الواضحہ۔" (المزهر في علوم اللغہ وانواعها جلد اول صفحہ 87 دار التراث قاہرہ)

جمال الدین ابو الحسن علي بن یوسف القِفْطی (م 646ھ) لکھتے ہیں:

یہ سیرت جو ابنِ ہِشَام نے ابن اسحاق سے روایت کی اب یہ سیرت صرف سیرت ابنِ ہِشَام کے نام سے ہی جانی جاتی ہے۔ مصری لوگ اس سیرت سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور بہت زیادہ روایت کرتے تھے، اور انہی مصریوں سے یہ سیرت دنیا کے دوسرے علاقوں میں منتقل ہوئی۔ (انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ جلد 2 صفحہ 212 دار الفکر العربي 1982ء)

عبد العزیز الدوری (م 2010ء) لکھتے ہیں:

ترجمہ: یہ سیرت ہمیں ابنِ ھِشَام کی تصحیح شدہ شکل میں پہنچی ہے، جنہوں نے اسے زِیَاد بِنْ عَبْدُاللّٰہ بَکَّائِی (م183ھ) کی روایت سے حاصل کیا۔ علامہ سخاوی کے نزدیک یہ روایت یونس بن بُکیر شیبانی (م199ھ) کی روایت سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ ابنِ ھِشَام نے اپنی ترتیب و تہذیب میں کوشش کی کہ وہ ابتدائی حصّے میں کمزور روایات کو حذف کر دیں، موضوع اشعار کو نکال دیں، اور کتاب کو محدثین کے منہج کے قریب کر دیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مؤرخین عام طور پر ابنِ اسحاق کی سیرت کو خاص طور پر ابنِ ھِشَام کی اصلاح کے بعد اچھی نظر سے دیکھتے ہیں۔

(نشاۃ علم التاریخ عند العرب صفحہ 34 تا 35 مرکز زاید للتراث والتاریخ 2000ء)

ندیم الواجدی (م2024ء) لکھتے ہیں:

"ابنِ ھِشَام نے ابن اسحاق کی سیرت کو جو نیا رنگ دیا وہ اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ اصل کو بھول گئے، اب ابن اسحاق کی کتاب سیرت ابنِ ھِشَام کی صورت میں دستیاب ہے اور یہی متداول بھی ہے۔" (سیرت نگاری اور سیرت کی کتابیں ندیم الواجدی صفحہ 59 دار الکتاب دیوبند 2024ء)

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (م1972ء) سیرت ابنِ ھِشَام کے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"جس چیز نے آپ کو سارے جہاں میں مشہور کیا وہ... سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایسی بے نظیر، بے مثل اور لاثانی کتاب مرتب کی جو صدیاں گذر جانے کے بعد آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر سوانح نگار کے لیے مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔... مخالفین اور موافقین میں سے جس شخص نے بھی آنحضرت ﷺ کے حالات حیات لکھنے کے لیے قلم اٹھایا۔ اس نے پہلے ابنِ ھِشَام کی اس قابل قدر تالیف کا مطالعہ ضروری سمجھا۔ ابن اسحٰق کی کتاب نابود ہوگئی۔ مگر ابنِ ھِشَام نے آقائے دوجہاں کی یہ خدمت کچھ اس خلوص کے ساتھ کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے قبولیت، عزت اور شہرت ہمیشہ کے لئے اس کے حصہ میں لکھی گئی اور کتاب اس قدر زیادہ مشہور ہوئی کہ مؤلف کا نام کتاب کا نام بن گیا اور آج جو شخص بھی اپنی تالیف میں اس کتاب کا حوالہ دیتا ہے وہ یہ نہیں لکھتا کہ "سیرۃ النبی مولفہ ابنِ ھِشَام" بلکہ صرف ابنِ ھِشَام لکھنا کافی سمجھتا ہے، یہ اس کی بڑھی ہوئی مقبولیت کی روشن دلیل ہے۔" (سیرۃ ابنِ ہِشَام مترجم شیخ محمد اسماعیل پانی پتی صفحہ 15 مقبول اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور)

محمد حسین ہیکل (م1888ء) لکھتے ہیں:

"ابنِ ھِشَام نے اپنی یہ کتاب کچھ ایسی نیک ساعت میں مرتب کی تھی کہ وہ آج سینکڑوں سال سے اہل علم کی حرزِ جاں بنی ہوئی ہے۔ بعد کے تمام مؤرخ، محدث اور مصنف جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر قلم اٹھایا، اُن سب نے

سیرت ابنِ ھِشَام سے استفادہ کیا۔ کوئی بھی کتاب دنیا کی کسی زبان میں سیرۃ نبوی کے متعلق آج تک ایسی نہیں لکھی گئی جس کے ماخذوں میں سیرۃ ابنِ ھِشَام کا نام نہ ہو، یہ کتاب آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ پرلاجواب ،بے مثل اور عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔ حضور ﷺ کا کوئی بھی سیرۃ نگار اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا، اور ہر شخص نے اپنے اپنے زمانہ میں اس سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور یقین ہے کہ آئندہ زمانہ میں بھی آنحضرت ﷺ کی سیرت پاک کا اولین ماخذ یہی کتاب رہے گی۔" (سیرۃ الرسول محمد حسین ہیکل مترجم محمد وارث (کامل مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور صفحہ 27تا28)

تحریری یا تقریری مباحثات کیلئے جن کتابوں کی لسٹ حضرت مسیح موعودؑ نے البلاغ۔ فریاد درد میں بیان فرمائی ہے، اس میں تاریخ کی کتابوں میں تئیسویں نمبر پر سیرت ابنِ ھِشَام کو بیان کیا ہے۔

(البلاغ۔ فریاد درد روحانی خزائن جلد13 صفحہ 462)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ ابنِ ھِشَام اور سیرتِ ابنِ ھِشَام کے متعلق بیان کرتے ہیں:

"یہ بہت پائے کے مؤرخ تھے اور نہایت ثقہ سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی سیرت جو بیشتر طور پر سیرت ابنِ اسحاق پر مبنی ہے۔ بہت جامع اور مکمل تصنیف ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ان کی سیرت سب سے زیادہ مقبول ومتعارف ہے...

خالص سیرت کی اصل ابتدائی کتابیں جو اس وقت پائی جاتی ہیں، وہ صرف چار ہیں۔ اعنی سیرت ابنِ ھِشَام۔ کتاب السیرت والمغازی لواقدی۔ طبقات ابنِ سعد اور تاریخ طبری۔ لیکن ان میں سے چونکہ واقدی مطعُون ومتروک ہے، اس لئے عملاً ماخذ صرف تین رہ جاتے ہیں۔ یعنی ابنِ ھِشَام ۔ ابنِ سعد اور طبری۔ اور اس میں شُبہ نہیں کہ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر سیرت کی حقیقی بنیاد انہیں تین کتابوں پر ہے...

سیرتِ ابنِ ھِشَام... سیرۃ کی کتابوں میں سب سے زیادہ متداول کتاب ہے۔"

(سیرت خاتم النبیین صفحہ 33،36،191)

❁❁❁❁❁

مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات

از افاضات امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

آنحضرت ﷺ کی ذات سراپا رحم اور محسن انسانیت

(مرسلہ: ع۔س۔اختر)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر غیر مسلموں کی طرف سے جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپؐ نعوذ باللہ ایسا دین لے کر آئے جس میں سوائے سختی اور قتل وغارت گری کے کچھ اور ہے ہی نہیں اور اسلام میں مذہبی رواداری، برداشت اور آزادی کا تصور ہی نہیں ہے اور اسی تعلیم کے اثرات آج تک مسلمانوں کی فطرت کا حصہ بن چکے ہیں..."

(خطبات مسرور جلد 4 صفحہ 131)

اس اعتراض کے جواب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"اسلام کی تعلیم تو ایک ایسی خوبصورت تعلیم ہے جس کی خوبصورتی اور حسن سے ہر تعصب سے پاک شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قرآن کریم میں متعدد جگہ اسلام کی اس خوبصورت تعلیم کا ذکر ملتا ہے جس میں غیر مسلموں سے حسن سلوک، ان کے حقوق کا خیال رکھنا، ان سے انصاف کرنا، ان کے دین پر کسی قسم کا جبر نہ کرنا، دین کے بارے میں کوئی سختی نہ کرنا وغیرہ کے بہت سے احکامات اپنوں کے علاوہ غیر مسلموں کے لئے ہیں۔ ہاں بعض حالات میں جنگوں کی بھی اجازت ہے لیکن وہ اس صورت میں جب دشمن پہل کرے، معاہدوں کو توڑے، انصاف کا خون کرے، ظلم کی انتہا کرے یا ظلم کرے لیکن

اس میں بھی کسی ملک کے کسی گروہ یا جماعت کا حق نہیں ہے، بلکہ یہ حکومت کا کام ہے کہ فیصلہ کرے کہ کیا کرنا ہے، کس طرح اس ظلم کو ختم کرنا ہے نہ کہ ہر کوئی جہادی تنظیم اٹھے اور یہ کام کرنا شروع کر دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی جنگوں کے مخصوص حالات پیدا کئے گئے تھے جن سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو جوابی جنگیں لڑنی پڑیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ آج کل کی جہادی تنظیموں نے بغیر جائز وجوہات کے اور جائز اختیارات کے اپنے جنگجوانہ نعروں اور عمل سے غیر مذہب والوں کو یہ موقع دیا ہے اور ان میں اتنی جرأت پیدا ہو گئی ہے کہ انہوں نے نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر بیہودہ حملے کئے ہیں اور کرتے رہے ہیں جبکہ اس سراپا رحم اور محسن انسانیت اور عظیم محافظ حقوق انسانی کا تو یہ حال تھا کہ آپؐ جنگ کی حالت میں بھی کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے جو دشمن کو سہولت نہ مہیا کرتا ہو۔ آپؐ کی زندگی کا ہر عمل، ہر فعل، آپؐ کی زندگی کا پل پل اور لمحہ لمحہ اس بات کا گواہ ہے کہ آپؐ مجسم رحم تھے اور آپ کے سینے میں وہ دل دھڑک رہا تھا کہ جس سے بڑھ کر کوئی دل رحم کے وہ اعلیٰ معیار اور تقاضے پورے نہیں کر سکتا جو آپؐ نے کئے، امن میں بھی اور جنگ میں بھی، گھر میں بھی اور باہر بھی، روز مرہ کے معمولات میں بھی اور دوسرے مذاہب والوں سے کئے گئے معاہدات میں بھی۔ آپؐ نے آزادی ضمیر، مذہب اور رواداری کے معیار قائم کرنے کی مثالیں قائم کر دیں۔ اور پھر جب عظیم فاتح کی حیثیت سے مکّہ میں داخل ہوئے تو جہاں مفتوح قوم سے معافی اور رحم کا سلوک کیا، وہاں مذہب کی آزادی کا بھی پورا حق دیا اور قرآن کریم کے اس حکم کی اعلیٰ مثال قائم کر دی کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔(البقرہ:257) کہ مذہب تمہارے دل کا معاملہ ہے، میری خواہش تو ہے کہ تم سچے مذہب کو مان لو اور اپنی دنیا و عاقبت سنوار لو، اپنی بخشش کے سامان کر لو، لیکن کوئی جبر نہیں۔ آپؐ کی زندگی رواداری اور آزادی مذہب و ضمیر کی ایسی بے شمار روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ان میں سے چند ایک کا میں ذکر کرتا ہوں۔

کون نہیں جانتا کہ مکّہ میں آپؐ کی دعویٰ نبوت کے بعد کی 13 سالہ زندگی، کتنی سخت تھی اور کتنی تکلیف دہ تھی اور آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کتنے دکھ اور مصیبتیں برداشت کیں۔ دوپہر کے وقت تپتی ہوئی گرم ریت پر لٹائے گئے، گرم پتھر ان کے سینوں پر رکھے گئے۔ کوڑوں سے مارے گئے، عورتوں کی ٹانگیں چیر کر مارا گیا، قتل کیا گیا، شہید کیا گیا۔ آپؐ پر مختلف قسم کے مظالم ڈھائے گئے۔ سجدے کی حالت میں بعض دفعہ اونٹ کی اوجھڑی لا کر آپؐ کی کمر پر رکھ دی گئی جس کے وزن سے آپؐ اٹھ نہیں سکتے تھے۔ طائف کے سفر میں بچے آپؐ پر پتھراؤ کرتے رہے، بیہودہ اور غلیظ زبان استعمال کرتے رہے۔ ان کے سردار ان کو ہلا شیری دیتے رہے، ان کو ابھارتے رہے۔ آپؐ اتنے زخمی ہو گئے کہ سر سے پاؤں تک لہولہان ہیں، اوپر سے بہتا ہوا خون جوتی میں بھی آ گیا۔ شعب ابی طالب کا واقعہ ہے۔ آپؐ کو، آپؐ کے

خاندان کو، آپؐ کے ماننے والوں کو کئی سال تک محصور کر دیا گیا۔ کھانے کو کچھ نہیں تھا، پینے کو کچھ نہیں تھا۔ بچے بھی بھوک پیاس سے بلک رہے تھے، کسی صحابی کو ان حالات میں اندھیرے میں زمین پر پڑی ہوئی کوئی نرم چیز پاؤں میں محسوس ہوئی تو اسی کو اٹھا کر منہ میں ڈال لیا کہ شاید کوئی کھانے کی چیز ہو۔ یہ حالت تھی بھوک کی اضطراری کیفیت۔ تو یہ حالات تھے۔ آخر جب ان حالات سے مجبور ہو کر ہجرت کرنی پڑی اور ہجرت کر کے مدینے میں آئے تو وہاں بھی دشمن نے پیچھا نہیں چھوڑا اور حملہ آور ہوئے۔ مدینہ کے رہنے والے یہودیوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ ان حالات میں جن کا میں نے مختصراً ذکر کیا ہے اگر جنگ کی صورت پیدا ہو اور مظلوم کو بھی جواب دینے کا موقع ملے، بدلہ لینے کا موقع ملے تو وہ یہی کوشش کرتا ہے کہ پھر اس ظلم کا بدلہ بھی ظلم سے لیا جائے۔ کہتے ہیں کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں بھی نرم دلی اور رحمت کے اعلیٰ معیار قائم فرمائے۔ مکّہ سے آئے ہوئے ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا تمام تکلیفوں کے زخم ابھی تازہ تھے۔ آپؐ کو اپنے ماننے والوں کی تکلیفوں کا احساس اپنی تکلیفوں سے بھی زیادہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی اسلامی تعلیم اور اصول وضوابط کو آپؐ نے نہیں توڑا۔ جو اخلاقی معیار آپؐ کی فطرت کا حصہ تھے اور جو تعلیم کا حصہ تھے ان کو نہیں توڑا۔ آج دیکھ لیں بعض مغربی ممالک جن سے جنگیں لڑ رہے ہیں ان سے کیا کچھ نہیں کرتے۔ لیکن اس کے مقابلے میں آپؐ کا اُسوہ دیکھیں جس کا تاریخ میں، ایک روایت میں یوں ذکر ملتا ہے۔

جنگ بدر کے موقع پر جس جگہ اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا وہ کوئی ایسی اچھی جگہ نہیں تھی۔ اس پر خبابؓ بن منذر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جہاں آپ نے پڑاؤ ڈالنے کی جگہ منتخب کی ہے آیا یہ کسی خدائی الہام کے ماتحت ہے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے؟ یا یہ جگہ آپؐ نے خود پسند کی ہے، آپ کا خیال ہے کہ فوجی تدبیر کے طور پر یہ جگہ اچھی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو محض جنگی حکمت عملی کے باعث میرا خیال تھا کہ یہ جگہ بہتر ہے، اونچی جگہ ہے تو انہوں نے عرض کی کہ یہ مناسب جگہ نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو لے کر چلیں اور پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیں۔ وہاں ایک حوض بنالیں گے اور پھر جنگ کریں گے۔ اس صورت میں ہم تو پانی پی سکیں گے لیکن دشمن کو پانی پینے کے لئے نہیں ملے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے چلو تمہاری رائے مان لیتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ چل پڑے اور وہاں پڑاؤ ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد قریش کے چند لوگ پانی پینے اس حوض پر آئے تو صحابہ نے روکنے کی کوشش کی تو آپؐ نے فرمایا: نہیں ان کو پانی لے لینے دو۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ذکر رؤیا عاتکہ بنت عبد اللہ... صفحہ 424 دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ الاولیٰ)

تو یہ ہے اعلیٰ معیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا کہ باوجود اس کے کہ دشمن نے کچھ عرصہ پہلے مسلمانوں کے بچوں تک کا دانہ پانی بند کیا ہوا تھا۔ لیکن آپؐ نے اس سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے دشمن کی فوج کے سپاہیوں

کو جو پانی کے تالاب، چشمے تک پانی لینے کے لئے آئے تھے اور جس پر آپؐ کا تصرف تھا، آپ کے قبضے میں تھا، انہیں پانی لینے سے نہ روکا۔ کیونکہ یہ اخلاقی ضابطوں سے گری ہوئی حرکت تھی۔ اسلام پر سب سے بڑا اعتراض یہی کیا جاتا ہے کہ تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ یہ لوگ جو پانی لینے آئے تھے ان سے زبردستی بھی کی جاسکتی تھی کہ پانی لینا ہے تو ہماری شرطیں مان لینا۔ کفار کئی جنگوں میں اس طرح کرتے رہے ہیں۔ لیکن نہیں، آپؐ نے اس طرح نہیں فرمایا۔ یہاں کہا جاسکتا ہے کہ ابھی مسلمانوں میں پوری طاقت نہیں تھی، کمزوری تھی، اس لئے شاید جنگ سے بچنے کیلئے یہ احسان کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ غلط بات ہے۔ مسلمانوں کے بچے بچے کو یہ پتہ تھا کہ کفار مکہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور مسلمان کی شکل دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ اس لئے یہ خوش فہمی کسی کو نہیں تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس قسم کی خوش فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ نے تو یہ سب کچھ، یہ شفقت کا سلوک سراپا رحمت ہونے اور انسانی قدروں کی پاسداری کی وجہ سے کیا تھا۔ کیونکہ آپ نے ہی ان قدروں کی پہچان کی تعلیم دینی تھی۔

پھر اس دشمن اسلام کا واقعہ دیکھیں جس کے قتل کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ لیکن آپؐ نے نہ صرف اسے معاف فرمایا بلکہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے اسے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت آپؐ نے عطا فرمائی۔ چنانچہ اس واقعہ کا ذکر یوں ملتا ہے کہ:

ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اپنے باپ کی طرح عمر بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگیں کرتا رہا۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان عفو اور امان کے باوجود فتح مکہ کے موقع پر ایک دستے پر حملہ آور ہوا اور حرم میں خونریزی کا باعث بنا۔ اپنے جنگی جرائم کی وجہ سے ہی وہ واجب القتل ٹھہرایا گیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے اس وقت کوئی نہیں ٹھہر سکا تھا۔ اس لئے فتح مکہ کے بعد جان بچانے کیلئے وہ یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی معافی کی طالب ہوئی تو آپؐ نے بڑی شفقت فرماتے ہوئے اسے معاف فرما دیا۔ اور پھر جب وہ اپنے خاوند کو لینے کیلئے جب گئی تو عکرمہ کو اس معافی پر یقین نہیں آتا تھا کہ مَیں نے اتنے ظلم کئے ہوئے ہیں، اتنے مسلمان قتل کئے ہوئے ہیں، آخری دن تک میں لڑائی کرتا رہا تو مجھے کس طرح معاف کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال وہ کسی طرح یقین دلا کر اپنے خاوند عکرمہ کو واپس لے آئی۔ چنانچہ جب عکرمہ واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس بات کی تصدیق چاہی تو اس کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے احسان کا حیرت انگیز سلوک کیا۔ پہلے تو آپ دشمن قوم کے سردار کی عزت کی خاطر کھڑے ہوگئے کہ یہ دشمن قوم کا سردار ہے اس لئے اس کی عزت کرنی ہے۔ اس لئے کھڑے ہوگئے اور پھر عکرمہ کے پوچھنے پر فرمایا کہ واقعی میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

(ماخوذ مؤطا امام مالک کتاب النکاح و شرح زرقانی علی مؤطا الامام مالک باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ، حدیث نمبر 1183)

عکرمہ نے پھر پوچھا کہ اپنے دین پر رہتے ہوئے؟یعنی میں مسلمان نہیں ہوا۔ اس شرک کی حالت میں مجھے آپ نے معاف کیا ہے، آپ نے مجھے بخش دیا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس پر عکرمہ کا سینہ اسلام کیلئے کھل گیا اور بے اختیار کہہ اٹھا کہ اے! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ واقعی بے حد حلیم اور کریم اور صلہ رحمی کرنیوالے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خلق اور احسان کا یہ معجزہ دیکھ کر عکرمہ مسلمان ہو گیا۔(السیرۃالحلبیہ۔ جلد سوم صفحہ 109 مطبوعہ بیروت)

تو اسلام اس طرح حسن اخلاق سے اور آزادی ضمیر و مذہب کے اظہار کی اجازت سے پھیلا ہے۔ حسن خلق اور آزادی مذہب کا یہ تیر ایک منٹ میں عکرمہ جیسے شخص کو گھائل کر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں اور غلاموں تک کو یہ اجازت دی تھی کہ جو مذہب چاہو اختیار کرو۔ لیکن اسلام کی تبلیغ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسلام کی تعلیم کے بارے میں بتاؤ کیونکہ لوگوں کو پتہ نہیں ہے۔ یہ خواہش اس لئے ہے کہ یہ تمہیں اللہ کا قرب عطا کرے گی اور تمہاری ہمدردی کی خاطر ہی ہم تم سے یہ کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک قیدی کا ایک واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔ سعید بن ابی سعید بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف مہم بھیجی تو بنو حنیفہ کے ایک شخص کو قیدی بنا کر لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا۔ صحابہ نے اسے مسجد نبویؐ کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ثمامہ تیرے پاس کیا عذر ہے یا تیرا کیا خیال ہے کہ تجھ سے کیا معاملہ ہو گا۔ اس نے کہا میرا ظن اچھا ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو آپؐ ایک خون بہانے والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ انعام کریں تو آپ ایک ایسے شخص پر انعام کریں گے جو کہ احسان کی قدر دانی کرنے والا ہے۔ اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہے لے لیں۔ اس کے لئے اتنا مال اس کی قوم کی طرف سے دیا جا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اگلا دن چڑھ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لائے اور ثمامہ سے پوچھا کیا ارادہ ہے۔ چنانچہ ثمامہ نے عرض کی کہ میں تو کل ہی آپؐ سے عرض کر چکا تھا کہ اگر آپؐ انعام کریں تو آپ ایک ایسے شخص پر انعام کریں گے جو کہ احسان کی قدردانی کرنے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہیں چھوڑا۔ پھر تیسرا دن چڑھا پھر آپ اس کے پاس گئے آپؐ نے فرمایا اے ثمامہ تیرا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کی جو کچھ میں نے کہنا تھا وہ کہہ چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ تو ثمامہ کو آزاد کر دیا گیا۔ اس پر وہ مسجد کے قریب کھجوروں کے باغ میں گیا اور غسل کیا اور مسجد میں داخل ہو کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخدا مجھے دنیا میں سب سے زیادہ ناپسند آپ کا چہرہ ہوا کرتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب آپ کا چہرہ ہے۔ بخدا مجھے دنیا میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ آپ کا دین ہوا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ

حالت ہے کہ میرا محبوب ترین دین آپ کا لایا ہوا دین ہے۔ بخدا میں سب سے زیادہ ناپسند آپؐ کے شہر کو کرتا تھا۔ اب یہی شہر میرا محبوب ترین شہر ہے۔ آپ کے گھوڑ سواروں نے مجھے پکڑ لیا جبکہ میں عمرہ کرنا چاہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جاتو میں عمرہ کرنے کے لئے رہا تھا اب آپ کا کیا ارشاد ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خوشخبری دی، مبارکباد دی اسلام قبول کرنے کی اور اسے حکم دیا کہ عمرہ کرو، اللہ قبول فرمائے گا۔ جب وہ مکہ پہنچا تو کسی نے کہا کہ کیا تو صابی ہو گیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں اور خدا کی قسم اب آئندہ سے یمامہ کی طرف سے گندم کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں آئے گا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ۔ وحدیث ثمامہ بن اُثال 4372)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مارنے کی کوشش کی یا مارا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کوئی دانہ نہیں آئے گا۔ اور یہ اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت نہ آجائے۔ چنانچہ اس نے جا کے اپنی قوم کو کہا اور وہاں سے غلہ آنا بند ہو گیا۔ کافی بری حالت ہو گئی۔ پھر ابو سفیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست لے کر پہنچے کہ اس طرح بھوکے مر رہے ہیں اپنی قوم پر کچھ رحم کریں۔ تو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ غلہ اس وقت ملے گا جب تم مسلمان ہو جاؤ بلکہ فوراً ثمامہ کو پیغام بھجوایا کہ یہ پابندی ختم کرو، یہ ظلم ہے۔ بچوں، بڑوں، مریضوں، بوڑھوں کو خوراک کی ضرورت ہوتی ہے ان کو مہیا ہونی چاہئے۔ تو دوسرے یہ دیکھیں کہ قیدی ثمامہ سے یہ نہیں کہا کہ اب تم ہمارے قابو میں ہو تو مسلمان ہو جاؤ۔ تین دن تک ان کے ساتھ حسن سلوک ہوتا رہا اور پھر حسن سلوک کے بھی اعلیٰ معیار قائم ہوئے۔ آزاد کر دیا اور پھر دیکھیں ثمامہ بھی بصیرت رکھتے تھے اس آزادی کو حاصل کرتے ہی انہوں نے اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں جکڑے جانے کیلئے پیش کر دیا کہ اسی غلامی میں میری دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

پھر ایک یہودی غلام کو مجبور نہیں کیا کہ تم غلام ہو میرے قابو میں ہو اس لئے جو میں کہتا ہوں کرو، یہاں تک کہ اس کی ایسی بیماری کی حالت ہوئی جب دیکھا کہ اس کی حالت خطرے میں ہے تو اس کے انجام بخیر کی فکر ہوئی۔ یہ فکر تھی کہ وہ اس حالت میں دنیا سے نہ جائے جبکہ خدا کی آخری شریعت کی تصدیق نہ کر رہا ہو بلکہ ایسی حالت میں جائے جب تصدیق کر رہا ہو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کے سامان ہوں۔ تب عیادت کے لئے گئے اور اسے بڑے پیار سے کہا کہ اسلام قبول کر لے۔

چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم یہودی تھا جو بیمار ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے اور فرمایا تو اسلام قبول کر لے۔ (صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب

عیادۃ المشرک حدیث 5657) ایک اور روایت میں ہے اس نے اپنے بڑوں کی طرف دیکھا لیکن بہر حال اس نے اجازت ملنے پر یا خود ہی خیال آنے پر اسلام قبول کر لیا۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی فمات … حدیث نمبر 1356)

تو یہ جو اسلام اس نے قبول کیا یہ یقیناً اس پیار کے سلوک اور آزادی کا اثر تھا جو اس لڑکے پر آپ کی غلامی کی وجہ سے تھا کہ یقیناً یہ سچا مذہب ہے اس لئے اس کو قبول کرنے میں بچت ہے۔ کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ یہ سراپا شفقت و رحمت میری برائی کا سوچے۔ آپؐ یقیناً برحق ہیں اور ہمیشہ دوسرے کو بہترین بات ہی کی طرف بلاتے ہیں، بہترین کام کی طرف ہی بلاتے ہیں، اسی کی تلقین کرتے ہیں۔ پس یہ آزادی ہے جو آپ نے قائم کی۔ دنیا میں کبھی اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوت سے پہلے بھی آزادی ضمیر اور آزادی مذہب اور زندگی کی آزادی پسند فرماتے تھے اور غلامی کو ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شادی کے بعد اپنا مال اور غلام آپؐ کو دے دیئے تو آپ نے حضرت خدیجہ کو فرمایا کہ اگر یہ سب چیزیں مجھے دے رہی ہو تو پھر یہ میرے تصرف میں ہوں گے اور جو مَیں چاہوں گا کروں گا۔ انہوں نے عرض کی اسی لئے میں دے رہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مَیں غلاموں کو بھی آزاد کر دوں گا۔ انہوں نے عرض کی آپ جو چاہیں کریں میں نے آپ کو دے دیا، میرا اب کوئی تصرف نہیں ہے، یہ مال آپ کا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اسی وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلاموں کو بلایا اور فرمایا کہ تم سب لوگ آج سے آزاد ہو اور مال کا اکثر حصہ بھی غرباء میں تقسیم کر دیا۔

جو غلام آپ نے آزاد کئے ان میں ایک غلام زید نامی بھی تھے وہ دوسرے غلاموں سے لگتا ہے زیادہ ہوشیار تھے، ذہین تھے۔ انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ یہ جو مجھے آزادی ملی ہے یہ آزادی تو اب مل گئی، غلامی کی جو مہر لگی ہوئی ہے وہ اب ختم ہو گئی لیکن میری بہتری اسی میں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ہی ہمیشہ رہوں۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپؐ نے مجھے آزاد کر دیا ہے لیکن میں آزاد نہیں ہوتا، میں تو آپ کے ساتھ ہی غلام بن کے رہوں گا۔ چنانچہ آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہے اور یہ دونوں طرف سے محبت کا، پیار کا تعلق بڑھتا چلا گیا۔ زید ایک مالدار خاندان کے آدمی تھے، اچھے کھاتے پیتے گھر کے آدمی تھے، ڈاکوؤں نے ان کو اغوا کر لیا تھا اور پھر ان کو بیچتے رہے اور بکتے بکاتے وہ یہاں تک پہنچے تھے تو ان کے جو والدین تھے، رشتہ دار عزیز بھی تلاش میں تھے۔ آخر ان کو پتہ لگا کہ یہ لڑکا مکّہ میں ہے تو مکہ آ گئے اور پھر جب پتہ لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں تو آپ کی مجلس میں پہنچے اور وہاں جا کے عرض کی کہ آپ جتنا مال چاہیں ہم سے لے لیں اور ہمارے بیٹے کو آزاد کر دیں، اس کی ماں کا رو رو کے برا حال ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تو اس کو پہلے ہی آزاد کر چکا ہوں۔ یہ آزاد ہے۔ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے اور کسی پیسے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔

انہوں نے کہا بیٹے چلو۔بیٹے نے جواب دیا کہ آپ سے مل لیا ہوں اتنا ہی کافی ہے۔ کبھی موقع ملا تو ماں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ لیکن اب مَیں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔ مَیں تو اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو چکا ہوں آپ سے جدا ہونے کا مجھے سوال نہیں۔ماں باپ سے زیادہ محبت اب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ زید کے باپ اور چچا وغیرہ نے بڑا زور دیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ زید کی اس محبت کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ زید آزاد تو پہلے ہی تھا مگر آج سے یہ میر ابیٹا ہے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر پھر زید کے باپ اور چچا وہاں سے اپنے وطن واپس چلے گئے اور پھر زید ہمیشہ وہیں رہے۔(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ 112)

تو نبوت کے بعد تو آپؐ کے ان آزادی کے معیاروں کو چار چاند لگ گئے تھے۔ اب تو آپ کی نیک فطرت کے ساتھ آپ پر اُترنے والی شریعت کا بھی حکم تھا کہ غلاموں کو ان کے حقوق دو۔ اگر نہیں دے سکتے تو آزاد کر دو۔

چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی اپنے غلام کو مار رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور بڑے غصے کا اظہار فرمایا۔ اس پر ان صحابی نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ کہا کہ میں ان کو آزاد کرتا ہوں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہ آزاد کرتے تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے نیچے آتے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان والنذر باب صحبۃ المالیک و کفارۃ... حدیث نمبر 4197)

تو اب دیکھیں یہ ہے آزادی۔

پھر دوسرے مذہب کے لوگوں کیلئے اپنی اظہار رائے کا حق اور آزادی کی بھی ایک مثال دیکھیں۔ اپنی حکومت میں جبکہ آپ کی حکومت مدینے میں قائم ہو چکی تھی اس وقت اس آزادی کا نمونہ ملتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے۔ ایک مسلمان تھا اور دوسرا یہودی۔ مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں پر منتخب کر کے فضیلت عطا کی۔ اس پر یہودی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے اور چن لیا۔ اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کو تھپڑ مار دیا۔ یہودی شکایت لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان سے تفصیل پوچھی اور پھر فرمایا: لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔(صحیح بخاری کتاب الخصومات باب مایذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیھود حدیث نمبر 2411)

تو یہ تھا آپ کا معیار آزادی، آزادی مذہب اور ضمیر، کہ اپنی حکومت ہے، مدینہ ہجرت کے بعد آپ نے مدینہ کے قبائل اور یہودیوں سے امن و امان کی فضا قائم رکھنے کیلئے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے مسلمانوں کی اکثریت ہونے کی وجہ

سے یا مسلمانوں کے ساتھ جو لوگ مل گئے تھے، وہ مسلمان نہیں بھی ہوئے تھے ان کی وجہ سے حکومت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن اس حکومت کا یہ مطلب نہیں تھا کہ دوسری رعایا، رعایا کے دوسرے لوگوں کے، ان کے جذبات کا خیال نہ رکھا جائے۔ قرآن کریم کی اس گواہی کے باوجود کہ آپؐ تمام رسولوں سے افضل ہیں، آپؐ نے یہ گوارا نہ کیا کہ انبیاء کے مقابلہ کی وجہ سے فضا کو مکدر کیا جائے۔ آپؐ نے اس یہودی کی بات سن کر مسلمان کی ہی سرزنش کی کہ تم لوگ اپنی لڑائیوں میں انبیاء کو نہ لایا کرو۔ ٹھیک ہے تمہارے نزدیک میں تمام رسولوں سے افضل ہوں۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی گواہی دے رہا ہے لیکن ہماری حکومت میں ایک شخص کی دلآزاری اس لئے نہیں ہونی چاہئے کہ اس کے نبی کو کسی نے کچھ کہا ہے۔ اس کی میں اجازت نہیں دے سکتا۔ میرا احترام کرنے کیلئے تمہیں دوسرے انبیاء کا بھی احترام کرنا ہوگا۔

تو یہ تھے آپؐ کے انصاف اور آزادی اظہار کے معیار جو اپنوں غیروں سب کا خیال رکھنے کیلئے آپ نے قائم فرمائے تھے۔ بلکہ بعض اوقات غیروں کے جذبات کا زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔

آپ کے انسانی اقدار قائم کرنے اور آپؐ کی رواداری کی ایک اور مثال ہے۔ روایت میں آتا ہے عبدالرحمٰن بن ابی لیلہ بیان کرتے ہیں کہ سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ کے مقام پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا۔ تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ جب ان کو بتایا گیا کہ یہ ذمّیوں میں سے ہے تو دونوں نے کہا کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ احتراماً کھڑے ہو گئے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلَیْسَتْ نَفْسًا کیا وہ انسان نہیں ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من قام لجنازۃ یہودی حدیث نمبر 1312)

پس یہ احترام ہے دوسرے مذہب کا بھی اور انسانیت کا بھی۔ یہ اظہار اور یہ نمونے ہیں جن سے مذہبی رواداری کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ یہ اظہار ہی ہیں جن سے ایک دوسرے کے لئے نرم جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہ جذبات ہی ہیں جن سے پیار، محبت اور امن کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ نہ کہ آجکل کی دنیاداروں کے عمل کی طرح کہ سوائے نفرتوں کی فضا پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں۔

پھر ایک روایت میں آتا ہے فتح خیبر کے دوران توراۃ کے بعض نسخے مسلمانوں کو ملے۔ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہماری کتاب مقدس ہمیں واپس کی جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہود کی مذہبی کتابیں ان کو واپس کر دو۔ (السیرۃ الحلبیۃ باب ذکر مغازیہ، ذکر غزوہ خیبر جلد 3 صفحہ 49)

باوجود اس کے کہ یہودیوں کے غلط رویے کی وجہ سے ان کو سزائیں مل رہی تھیں آپؐ نے یہ برداشت نہیں فرمایا

کہ دشمن سے بھی ایسا سلوک کیا جائے جس سے اس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

یہ چند انفرادی واقعات میں نے بیان کئے ہیں اور میں نے ذکر کیا تھا کہ مدینہ میں ایک معاہدہ ہوا تھا۔ اُس معاہدے کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شقیں قائم فرمائی تھیں، جو روایات پہنچی ہیں ان کا میں ذکر کرتا ہوں کہ کس طرح اس ماحول میں جا کر آپؐ نے رواداری کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اُس معاشرے میں امن قائم فرمانے کیلئے آپ کیا چاہتے تھے؟ تاکہ معاشرے میں بھی امن قائم ہو اور انسانیت کا شرف بھی قائم ہو۔ مدینہ پہنچنے کے بعد آپؐ نے یہودیوں سے جو معاہدہ فرمایا اس کی چند شرائط یہ تھیں کہ مسلمان اور یہودی آپس میں ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ رہیں گے اور ایک دوسرے کے خلاف زیادتی یا ظلم سے کام نہ لیں گے۔ اور باوجود اس کے کہ ہمیشہ اس شق کو یہودی توڑتے رہے مگر آپ احسان کا سلوک فرماتے رہے یہاں تک کہ جب انتہا ہو گئی تو یہودیوں کے خلاف مجبوراً سخت اقدام کرنے پڑے۔

دوسری شرط یہ تھی کہ ہر قوم کو مذہبی آزادی ہو گی۔ باوجود مسلمان اکثریت کے تم اپنے مذہب میں آزاد ہو۔

تیسری شرط یہ تھی کہ تمام باشندگان کی جانیں اور اموال محفوظ ہوں گے اور ان کا احترام کیا جائے گا سوائے اس کے کہ کوئی شخص جرم یا ظلم کا مرتکب ہو۔ اس میں بھی اب کوئی تفریق نہیں ہے۔ جرم کا مرتکب چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو اس کو بہرحال سزا ملے گی۔ باقی حفاظت کرنا سب کا مشترکہ کام ہے، حکومت کا کام ہے۔ پھر یہ کہ ہر قسم کے اختلاف اور تنازعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فیصلے کیلئے پیش ہوں گے اور ہر فیصلہ خدائی حکم کے مطابق کیا جائے گا۔ اور خدائی حکم کی تعریف یہ ہے کہ ہر قوم کی اپنی شریعت کے مطابق۔ فیصلہ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہونا ہے کیونکہ اس وقت حکومت کے مقتدرِ اعلیٰ آپؐ تھے۔ اس لئے آپ نے فیصلہ فرمانا تھا لیکن فیصلہ اس شریعت کے مطابق ہو گا اور جب یہودیوں کے بعض فیصلے ایسے ہوئے ان کی شریعت کے مطابق تو اس پر ہی اب عیسائی اعتراض کرتے ہیں یا دوسرے مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ جی ظلم ہوا۔ حالانکہ ان کے کہنے کے مطابق ان کی شرائط پر ہی ہوئے تھے۔

پھر ایک شرط یہ ہے کہ کوئی فریق بغیر اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ کیلئے نہ نکلے گا۔ اس لئے حکومت کے اندر رہتے ہوئے اس حکومت کا پابند ہونا ضروری ہے۔ اب یہ جو شرط ہے یہ آجکل کی جہادی تنظیموں کیلئے بھی رہنما ہے کہ جس حکومت میں رہ رہے ہیں اس کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا جہاد نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ اس حکومت کی فوج میں شامل ہو جائیں اور پھر اگر ملک لڑے یا حکومت تو پھر ٹھیک ہے۔

پھر ایک شرط ہے کہ اگر یہودیوں اور مسلمانوں کے خلاف کوئی قوم جنگ کرے گی تو وہ ایک دوسرے کی امداد میں کھڑے ہوں گے۔ یعنی دونوں میں سے کسی فریق کے خلاف اگر جنگ ہو گی تو دوسرے کی امداد کریں گے اور دشمن سے صلح کی صورت میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں کو اگر صلح میں کوئی منفعت مل رہی ہے، کوئی نفع مل رہا ہے، کوئی فائدہ ہو رہا ہے تو اس فائدے کو ہر ایک حصہ رسدی حاصل کرے گا۔ اسی طرح اگر مدینے پر حملہ ہو گا تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

پھر ایک شرط ہے کہ قریش مکہ اور ان کے معاونین کو یہود کی طرف سے کسی قسم کی امداد یا پناہ نہیں دی جائے گی کیونکہ مخالفین مکہ نے ہی مسلمانوں کو وہاں سے نکالا تھا۔ مسلمانوں نے یہاں آکر پناہ لی تھی اس لئے اب اس حکومت میں رہنے والے اس دشمن قوم سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں کر سکتے اور نہ کوئی مدد لیں گے۔ ہر قوم اپنے اخراجات خود برداشت کرے گی۔ یعنی اپنے اپنے خرچ خود کریں گے۔ اس معاہدے کی رو سے کوئی ظالم یا گناہگار یا مفسد اس بات سے محفوظ نہیں ہو گا کہ اسے سزا دی جاوے یا اس سے انتقام لیا جاوے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ھجرۃ الرسول کتابہ بین المہاجرین والانصار موادعۃ 354-355 ایڈیشن 2001ء)

یعنی جیسا کہ پہلے بھی آچکا ہے کہ جو کوئی ظالم ہو گا، گناہ کرنے والا ہو گا، غلطی کرنے والا ہو گا۔ بہر حال اس کو سزا ملے گی، پکڑ ہو گی۔ اور یہ بلا تفریق ہو گی، چاہے وہ مسلمان ہے یا یہودی ہے یا کوئی اور ہے۔

پھر اسی مذہبی رواداری اور آزادی کو قائم رکھنے کیلئے آپؐ نے نجران کے وفد کو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت دی اور انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی عبادت کی۔ جبکہ صحابہ کا خیال تھا کہ نہیں کرنی چاہئے۔ آپؐ نے کہا کوئی فرق نہیں پڑتا۔

پھر اہل نجران کو جو امان نامہ آپؐ نے دیا اس کا بھی ذکر ملتا ہے اس میں آپؐ نے اپنے اوپر یہ ذمہ داری قبول فرمائی کہ مسلمان فوج کے ذریعہ سے ان عیسائیوں کی (جو نجران میں آئے تھے) سرحدوں کی حفاظت کی جائے گی۔ ان کے گرجے ان کے عبادت خانے، مسافر خانے خواہ وہ کسی دور دراز علاقے میں ہوں یا شہروں میں ہوں یا پہاڑوں میں ہوں یا جنگلوں میں ہوں ان کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ ان کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہو گی اور اُن کی اس آزادی عبادت کی حفاظت بھی مسلمانوں پر فرض ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیونکہ اب یہ مسلمان حکومت کی رعایا ہیں اس لئے اس کی حفاظت اس لحاظ سے بھی مجھ پر فرض ہے کہ اب یہ میری رعایا بن چکے ہیں۔

پھر آگے ہے کہ اسی طرح مسلمان اپنی جنگی مہموں میں انہیں (یعنی نصاریٰ کو) ان کی مرضی کے بغیر شامل نہیں کریں گے۔ ان کے پادری اور مذہبی لیڈر جس پوزیشن اور منصب پر ہیں وہ وہاں سے معزول نہیں کئے جائیں گے۔ اسی طرح

اپنے کام کرتے رہیں گے۔ ان کی عبادت گاہوں میں مداخلت نہیں ہو گی وہ کسی بھی صورت میں زیر استعمال نہیں لائی جائیں گی۔ نہ سرائے بنائی جائیں گی نہ وہاں کسی کو ٹھہرایا جائے گا اور نہ کسی اور مقصد میں ان سے پوچھے بغیر استعمال میں لایا جائے گا۔ علماء اور راہب جہاں کہیں بھی ہوں ان سے جزیہ اور خراج وصول نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی مسلمان کی عیسائی بیوی ہو گی تو اسے مکمل آزادی ہو گی کہ وہ اپنے طور پر عبادت کرے۔ اگر کوئی اپنے علماء کے پاس جا کر مسائل پوچھنا چاہے تو جائے۔ گرجوں وغیرہ کی مرمت کیلئے آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمانوں سے مالی امداد لیں اور اخلاقی امداد لیں تو مسلمانوں کو مدد کرنی چاہئے کیونکہ یہ بہتر چیز ہے اور یہ نہ قرض ہو گا اور نہ احسان ہو گا بلکہ اس معاہدے کو بہتر کرنے کی ایک صورت ہو گی کہ اس طرح کے سوشل تعلقات اور ایک دوسرے کی مدد کے کام کئے جائیں۔

(ملخص سیاسی وثیقہ جات از عہد نبوی تا خلافت راشدہ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صفحہ 108 تا 112)

تو یہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار مذہبی آزادی اور رواداری کے قیام کیلئے۔ اس کے باوجود آپ پر ظلم کرنے اور تلوار کے زور پر اسلام پھیلانے کا الزام لگانا انتہائی ظالمانہ حرکت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

”پس جبکہ اہل کتاب اور مشرکین عرب نہایت درجہ بد چلن ہو چکے تھے اور بدی کر کے سمجھتے تھے کہ ہم نے نیکی کا کام کیا ہے اور جرائم سے باز نہیں آتے تھے اور امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے تو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عنان حکومت دے کر ان کے ہاتھ سے غریبوں کو بچانا چاہا۔ اور چونکہ عرب کا ملک مطلق العنان تھا اور وہ لوگ کسی بادشاہ کی حکومت کے ماتحت نہیں تھے اس لئے ہر ایک فرقہ نہایت بے قیدی اور دلیری سے زندگی بسر کرتا تھا۔“کوئی قانون نہیں تھا کیونکہ کسی کے ماتحت نہیں تھے” اور چونکہ ان کیلئے کوئی سزا کا قانون نہ تھا۔ اس لئے وہ لوگ روز بروز جرائم میں بڑھتے جاتے تھے۔ پس خدا نے اس ملک پر رحم کر کے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ملک کیلئے نہ صرف رسول کر کے بھیجا بلکہ اس ملک کا بادشاہ بھی بنا دیا اور قرآن شریف کو ایک ایسے قانون کی طرح مکمل کیا جس میں دیوانی، فوجداری، مالی سب ہدایتیں ہیں۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک بادشاہ ہونے کے تمام فرقوں کے حاکم تھے اور ہر ایک مذہب کے لوگ اپنے مقدمات آپؐ سے فیصلہ کراتے تھے۔

قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آنجناب کی عدالت میں مقدمہ آیا تو آنجناب نے تحقیقات کے بعد یہودی کو سچا کیا اور مسلمان پر اس کے دعویٰ کی ڈگری کی۔“اس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔”پس بعض نادان مخالف جو غور سے قرآن شریف نہیں پڑھتے وہ ہر ایک مقام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے نیچے

لے آتے ہیں حالانکہ ایسی سزائیں خلافت یعنی بادشاہت کی حیثیت سے دی جاتی تھیں۔"یعنی یہ حکومت کا کام ہے۔

پھر فرماتے ہیں:"بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد نبی جدا ہوتے تھے اور بادشاہ جدا ہوتے تھے جو امور سیاست کے ذریعے سے امن قائم رکھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہ دونوں عہدے خدا تعالیٰ نے آنجناب۔"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "ہی کو عطا کئے اور جرائم پیشہ لوگوں کو الگ الگ کر کے باقی لوگوں کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ آیت مندرجہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے: وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ۔(آل عمران:21) اور اے پیغمبر! اہل کتاب اور عرب کے جاہلوں کو کہو کہ کیا تم دین اسلام میں داخل ہوتے ہو۔ پس اگر اسلام قبول کر لیں تو ہدایت پا گئے۔ اگر منہ موڑیں تو تمہارا تو صرف یہی کام ہے کہ حکم الٰہی پہنچا دو۔ اس آیت میں یہ نہیں لکھا کہ تمہارا یہ بھی کام ہے کہ تم ان سے جنگ کرو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جنگ صرف جرائم پیشہ لوگوں کیلئے تھا کہ مسلمانوں کو قتل کرتے تھے یا امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے اور چوری ڈاکہ میں مشغول رہتے تھے۔ اور یہ جنگ بحیثیت بادشاہ ہونے کے تھا، نہ بحیثیت رسالت۔"یعنی کہ جب آپ حکومت کے مقتدر اعلیٰ تھے تب جنگ کرتے تھے اس لئے نہیں کرتے تھے کہ نبی ہیں۔"جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔(البقرہ:191)(ترجمہ) تم خدا کے راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ یعنی دوسروں سے کچھ غرض نہ رکھو اور زیادتی مت کرو۔ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 242، 243)

پس جس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شریعت اتری ہے کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے پر اترے ہوئے احکامات کے معاملے میں زیادتی کرتا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فتح مکہ کے موقع پر بغیر اس شرط کے کہ اگر اسلام میں داخل ہوئے تو امان ملے گی عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کی ایک مثال ہم دیکھ بھی چکے ہیں۔ اس کی مختلف شکلیں تھیں لیکن اس میں یہ نہیں تھا کہ ضرور اسلام قبول کرو گے تو معافی ملے گی۔ مختلف جگہوں میں جانے اور داخل ہونے اور کسی کے جھنڈے کے نیچے آنے اور خانہ کعبہ میں جانے اور کسی گھر میں جانے کی وجہ سے معافی کا اعلان تھا۔ اور یہ ایک ایسی اعلیٰ مثال تھی جو ہمیں کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئی۔ مکمل طور پر یہ اعلان فرما دیا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ کہ جاؤ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ ہزاروں درود اور سلام ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے اپنے یہ اعلیٰ نمونے قائم فرمائے۔"

(خطبات مسرور جلد 4 صفحہ 131 تا 144)

تعارف کتاب ''شحنۂ حق''

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔''

(''ملفوظات'' حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 7 صفحہ 224 ایڈیشن 2022ء)

شحنۂ حق

(اے۔ ولیم)

تعارف:

1886ء کے آخری مہینوں میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ایک معرکۃ الآراء کتاب ''سرمہ چشم آریہ'' شائع ہوئی تھی۔ جو قرآن کریم کے فضائل ومحاسن پر ایک اور لاجواب کتاب شمار ہوتی ہے اور جس میں آنحضرت ﷺ کی سیرت وسوانح اور مقام ومرتبہ ایک ایسے عارفانہ رنگ میں بیان ہوا ہے کہ پڑھنے سے وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور یہ کتاب ثابت کرتی ہے کہ اسلام، بانئ اسلام اور قرآن مجید ایک زندہ مذہب، ایک زندہ رسول اور ایک زندہ کتاب ہے۔ اور باقی تمام مذاہب پر ان کو فضیلت واہمیت حاصل ہے۔ اور بالخصوص آریہ سماج کے عقائد کے رد میں یہ ایک لاجواب کتاب ثابت ہوئی۔ کتاب کیا تھی آریہ سماج کے تابوت میں ایک آخری کیل ثابت ہو رہی تھی۔ مخالف فریق کی طرف سے اب اس کتاب کا جواب دینا تو ایک مشکل بلکہ ناممکن سا امر معلوم ہو رہا تھا۔ اس لئے اس کے جواب میں ایک سستا اور نازیبا طریق اختیار کیا گیا۔ اور وہ یہ تھا کہ آریہ سماج کی طرف سے اشتعال انگیز اور گالیوں سے

بھرے ہوئے اشتہارات شائع کرنے شروع کر دئے گئے۔ اور ایک کتاب ''سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن اور فریب غلام احمد کی کیفیت'' بھی لکھی۔ اور گمنام خطوط اور اشتہارات کے ذریعہ حضرت اقدس علیہ السلام کو قتل کرنے کی دھمکیاں دینی شروع کر دی گئیں۔ گویا کہ آپؑ کی جان کے درپے ہوگئے۔ آریہ سماج نے جس نامناسب انداز میں اپنے جوش و خروش کا اظہار کیا تھا اور کثرت سے خطوط، اشتہارات اور رسائل لکھے تھے اس کے جواب میں حضرت اقدس علیہ السلام نے 120 صفحات پر مشتمل ایک کتاب شائع فرمائی۔ جس کا نام شحنۂ حق رکھا۔

کم و بیش ایک سو بیس صفحات پر مشتمل یہ کتاب روحانی خزائن کی دوسری جلد میں شامل ہے۔ ٹائٹل پیج پر یا کتاب کے تعارف میں اس کی تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ البتہ کتاب کی اندرونی شہادتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اپریل 1887ء میں تصنیف ہوئی۔ جیسا کہ اس کے آخری صفحہ پر تاریخ طبع مصنف کے عنوان سے ایک فارسی نظم ہے۔ جس کے آخری مصرعہ کے الفاظ سے 1304 سن ہجری نکلتا ہے جو کہ ستمبر 86ء سے اگست 87ء بنتا ہے۔ کتاب ہٰذا کے صفحہ 369 پر آپؑ نے پرچہ دھرم جیون 13 مارچ 1887ء کا حوالہ بیان کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دنوں میں یہ کتاب زیر تصنیف تھی۔ پھر اس کتاب کے صفحہ 374 پر حضور علیہ السلام نے ایک نشان دکھانے کے لئے اعلان شائع فرمایا ہے۔ اور اگلے صفحہ پر فرماتے ہیں: ''یکم اپریل 1887ء سے اخیر مئی 1887ء تک اسے مہلت ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپریل میں یہ کتاب طباعت و اشاعت کے لئے تیار تھی یا ممکن ہے کہ طبع بھی ہو چکی ہو کیونکہ اس کے آخر پر امریکہ کے الیگزنڈر رسل وب (Mohammad Alexander Russell Webb.1846-1916)* کا ایک خط درج فرماتے ہوئے حضورؑ لکھتے ہیں: ''اسی انگریز کی ایک دوسری چٹھی آج یکم اپریل 1887ء کو امریکہ سے پہنچی ہے۔'' اور 4 اپریل کو حضورؑ نے اسی چٹھی کا جواب لکھا ہے جو یہاں ساتھ ہی درج فرمایا ہے۔ یہ خطوط روحانی خزائن جلد 2 کے صفحات 439 تا 444 پر درج ہیں۔ یوں کتاب کی اندرونی شہادتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپریل 1887ء کے پہلے ہفتہ میں یہ کتاب شائع ہوئی ہوگی۔ ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ عملاً یہ کتاب چار پانچ گھنٹوں میں لکھی گئی۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''ہم نے صرف چار یا پانچ گھنٹے اپنے پیارے وقت کے اس مختصر رسالہ کے لکھنے میں صَرف کئے ہیں۔''

(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 334)

---

* الیگزنڈر رسل وب (Mohammad Alexander Russell Webb.) کا تعارف شمارہ ہٰذا کے صفحہ نمبر 50 پر ملاحظہ کریں۔

اور قبل اس کے کہ ہم کتاب شحنۂ حق کے تعارف پر کچھ عرض خدمت کریں۔ قارئین کرام کی خدمت میں ہم ایک جھلک اس نظارے کی پیش کرتے ہیں کہ جب پورے ملک میں جو شیلے مخالف آریہ نہ صرف گندہ ذہنی اور غلیظ گالیوں پر اتر آئے تھے اور بیرنگ(bearing) خطوط کا ایک تانتا سا بندھ گیا جس میں سوائے گالیوں کے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ بات قتل کی دھمکیوں اور منصوبہ بندیوں تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ آریہ صاحبان کے اسی وحشیانہ جوش کا ذکر کرتے ہوئے اس کتاب کے شروع میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ لکھتے ہیں:

> ''ان آریوں نے ہم سے کس قسم کی تہذیب کا برتاؤ کیا؟ یہ ہم ابھی بیان کریں گے اور ہمیں یقین ہے کہ شریف آریہ ان حرکات بے جا کو بالکل روا نہیں رکھتے ہوں گے جو ہماری نسبت اپنے اقوال پر فحش سے بعض دل چلے آریوں نے اپنے وحشیانہ جوش سے ظاہر کئے ہیں۔ انہوں نے میری نسبت ایسے گندے اشتہار چھاپے ہیں۔ ایسے پر دشنام گمنام خط بھیجے ہیں۔ ایسی غائبانہ گندی باتیں کہیں ہیں کہ مجھے ہرگز امید نہیں کہ کوئی نیک ذات آریہ اس صلاح اور مشورہ میں داخل ہو گا۔ اور پھر ان نیک بختوں نے اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ بار بار خطوط اور اشتہاروں کے ذریعہ سے مجھے قتل کرنے کی بھی دھمکی دی ہے لیکھرام پشاوری نے جس قدر گندے اور بدبو سے بھرے ہوئے ہماری طرف خط لکھے وہ سب ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور گمنام خطوط جو جان سے مار دینے کے بارے میں کسی پرجوش آریہ کی طرف سے پہنچے گو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس آریہ کی طرف سے ہیں مگر یہ ہم جانتے ہیں کہ شورہ پشتوں کے گروہ میں سے کوئی ایک ہے۔ ایسا ہی جن اشتہاروں کو یہ لوگ وقتاً فوقتاً جاری کرتے ہیں ان کے پڑنے سے ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا کچھ بھرا ہوا ہے۔ گمنام خط جس قدر آریوں کی طرف سے آتے ہیں وہ اکثر بیرنگ ہوتے ہیں اور علاوہ ایک آنہ محصول ضائع کرنے کے جب اندر سے کھولا جاتا ہے تو نری گالیاں اور نہایت گندی باتیں ہوتی ہیں''

(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 325)

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف آریہ سماجی حضرات کا یہ جوش وخروش کہ حضورؑ کی جان کے درپے ہیں۔ اور دوسری طرف خدا کے اس شیر نے آریہ سماج کی دھمکیوں کا جواب جن ایمان فزا الفاظ میں دیا وہ آپ کے زبردست جوش ایمانی کا پتہ

دیتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا:

"یاد رہے کہ **ہم حق کے اظہار میں ایسے اعلانوں سے ہر گز نہیں ڈرتے۔ ایک جان کیا اگر ہماری ہزار جان ہو تو یہی خواہش ہے کہ اس راہ میں فدا ہو جائے** اور گو ہم جانتے ہیں کہ یہ تحریریں کن حضرات کی ہیں اور کن اندرونی اور بیرونی سازشوں اور مشوروں اور باہم خط و کتابت کے بعد کسی قوی امید سے کسی اسی جگہ کے یہودا اسکریوطی یا بگڑے ہوئے سکھ کی دم دہی سے جاری کئے گئے ہیں مگر ہمیں کچھ ضرور نہیں کہ مجازی حکام کو اس کی اطلاع دیں کیونکہ جو کچھ یہ لوگ ہماری نسبت بدارادے کر رہے ہیں ہمارے حاکم حقیقی کو ان کا علم پہلے ہی سے حاصل ہے ہم متعجب ہیں کہ ان کی ان تیزیوں کا کیا باعث ہے کیا رام سنگھ کے کوکوں کی روح تو ان میں کہیں گھس نہیں آئی۔ **اے آریو ہمیں قتل سے تو مت ڈراؤ ہم ان ناکارہ دھمکیوں سے ہر گز ڈرنے والے نہیں** جھوٹ کی بیخ کنی ہم ضرور کریں گے اور تمہارے ویدوں کی حقیقت ذرہ ذرہ کرکے کھول دیں گے۔

نمی ترسیم از مردن چنیں خوف از دل افگندیم
کہ ما مردیم زاں روزے کہ دل از غیر برکندیم
دل و جاں در رہ آں دلستاں خود فدا کردیم
اگر جان ما زما خواہد بصد دل آرزو مندیم[1]

صبر وشکیب تو ہمارا شعار ہے مگر ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ دیانندی فرقہ کی کس قدر خطرناک پالیسی ہے اور لاجواب ہونے کی حالت میں کیا عمدہ تدبیر سوچ رکھی ہے کہ قتل کی دھمکی دی جائے یوں تو کون شخص ہے کہ ایک دن نہیں مرے گا مگر یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ ایسی دھمکیاں ان لوگوں کے دلوں پر کیا کارگر ہو سکتی ہیں جن کو کتاب الٰہی نے پہلے ہی سے یہ تعلیم دے رکھی ہے قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام:163) یعنے مخالفین کو کہہ دے کہ میں جان کو دوست نہیں رکھتا میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا خدا کے لئے ہے وہی حقدار خدا جس نے ہر یک چیز کو پیدا کیا ہے ہاں یہ دھمکیاں ان دلوں پر کارگر ہو

[1] ترجمہ: ہم مرنے سے نہیں ڈرتے کہ مرنے کا خوف ہم نے دل سے نکال دیا ہے۔ کیونکہ ہم تو اسی دن مر چکے تھے جس دن سے ہم نے اپنے دل کو غیر سے ہٹا لیا۔ ہم نے اس محبوب کی راہ میں جان و دل فدا کر دیا ہے اگر وہ ہماری جان بھی مانگے تو ہم شوق سے دیں گے۔

سکتی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینا نہیں چاہتے کیونکہ اس کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق بنے بیٹھے ہیں اور اس کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس حق گزاری کے لائق ہو اور جبکہ اس سے انہیں پیار نہیں تو پھر اپنی زندگی سے پیار کرتے ہیں۔"(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد2 صفحہ 329 تا 331 حاشیہ)

اسی کتاب میں ایک جگہ بڑے جلال کے ساتھ فرمایا:

"اے آریو تم غلطی پر ہو یقیناً سمجھو کہ تم غلطی پر ہو۔ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے اور تم کچھ بھی ہمارا بگاڑ نہیں سکتے۔"

(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد2 صفحہ 368)

اس کتاب شحنہ حق کا ایک اور قدرے تفصیلی نام بھی ہے۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:

"اور چونکہ ہمارے اس رسالہ میں ان کی بے جا نکتہ چینیوں پر تنبیہ کا تازیانہ جڑنا اور الزام اور ملامت کا ہنٹر تاڑ تاڑ مارنا قرین مصلحت سمجھا گیا ہے اس لئے اس رسالہ کا نام بھی شحنہ حق رکھا گیا۔ کیونکہ یہ رسالہ آریوں کے آوارہ طبع لوگوں کے سیدھا کرنے لئے شحنہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور ظریفانہ طور پر اس رسالہ کا ایک اور نام بھی رکھا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

آریوں کی کسی قدر خدمت اور ان کے ویدوں اور نکتہ چینیوں کی کچھ ماہیت"

(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد2 صفحہ 334)

شحنہ حق میں آپؑ نے وید کی حقیقت اور آریہ سماج کی طرف سے وید کی طرف منسوب کردہ عقائد کو خوب خوب پوسٹ مارٹم کر کے دکھایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پنڈت لیکھرام صاحب کی علمی پردہ دری بھی خوب کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ علوم وفنون سے اس کو دور دور سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اس کے مقابل پر قرآن کریم کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و تقدس کا بیان ہے۔ اس کتاب میں لفظ ہندو کی بابت ایک تحقیقی مضمون بھی شامل ہے اور اسی طرح کتاب کے آخر پر امریکہ کے ایک مشہور صحافی الیگزنڈر رسل ویب کا ایک خط اور اس کو لکھا جانے والا جواب بھی کتاب کے آخری صفحات میں شامل اشاعت ہے۔

اس کتاب میں حضورؑ نے ایک رسالہ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" کے جاری کرنے کا بھی اعلان فرمایا۔ چنانچہ آپؑ نے اسی کتاب کے آغاز میں (روحانی خزائن جلد2 صفحہ 335 پر) ایک اشتہار شائع فرمایا:

”رسالۂ ماہواری قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ جو جون 1887ء کی بیسویں تاریخ سے ماہ بماہ نکلا کرے گا۔ جب تک میں نے آریہ صاحبوں کا وہ رسالہ نہیں دیکھا تھا جس کا نام ہے۔ سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن اور فریب غلام احمد کی کیفیت۔ تب تک مجھے اس طرف ذرہ بھی توجہ نہیں تھی کہ میں کوئی ماہواری رسالہ قرآنی علوم اور صداقتوں کا اس غرض سے نکالوں کہ تا اگر کوئی آریہ ویدوں کو کچھ حقیقت سمجھتا ہو تو قرآنی صداقتوں سے اس کا مقابلہ کرکے دکھلاوے۔“

(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد2 صفحہ 336،335)

جیسا کہ اس اشتہار سے واضح ہوتا ہے کہ جون میں ہی یہ رسالہ حضورؑ نکالنا چاہتے تھے۔ اور آپؑ کا منشائے مبارک یہ تھا کہ یہ رسالہ اپنے ہی پریس میں چھپے۔ پریس کے سرمایہ کے لئے آپؑ نے قرضہ کی تحریک بعض دوستوں سے کی۔ جن میں سے ایک حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ بھی تھے۔ انہیں ایک خط میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رقم فرماتے ہیں:

”میں یہ روپیہ لینا صرف قرضہ کے طور پر چاہتا ہوں کہ دوستوں پر تھوڑا تھوڑا بار ہو جو سو روپیہ سے زیادہ نہ ہو۔ سو اگر ایسا ہو سکے کہ بعض بااخلاص آدمی جو آپ کی نظر میں ہوں اس قرضہ کے دینے میں شریک ہو جائیں تو بہت آسانی کی بات ہے ورنہ مالک خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ کافی ہے۔ جواب سے جلد مطلع فرماویں کیونکہ میں نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ رسالہ قرآنی طاقتوں کا جلوہ جون کے ماہ میں شائع ہو گا۔ سو میں چاہتا ہوں کہ اپنے ہی مطبع میں وہ رسالہ چھپنا شروع ہو جائے۔ مجھے اس قرضہ کے بارہ میں کوئی اضطراب نہیں میں اپنے دل میں نہایت خوشی اور اطمینان اور سرور پاتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میری دعائیں کرنے سے پہلے ہی مستجاب ہیں۔“

(مکتوبات احمد جلد2 ص39-40 مکتوب بنام حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ، مکتوب نمبر25)

یہ خط جو کہ مئی 1887ء کے اوائل میں آپ نے لکھا تھا مگر مشیّتِ ایزدی میں اس رسالہ کے لئے یہ وقت نہ تھا اس لئے وہ بعض وجوہات کی بناء پر شائع نہ ہو سکا اور ایک زمانہ کے بعد قادیان سے اپنے ہی مطبع سے نورالقرآن جاری ہوا۔

شحنۂ حق کے متعلق ایک ضمنی لیکن ایمان افروز واقعہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ حضورؑ کے ایک فدائی مخلص صحابی حضرت میاں نجم الدین صاحبؓ کا ذکر خیر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

”حضرت میاں نجم الدین صاحبؓ بھیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح

کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے اپنی عمر کا آخری حصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے لنگر خانہ کی خدمت میں نہایت دیانت اور امانت سے گزارا۔ خدمت خلق کا خاص جذبہ ان میں تھا۔ **شحنہ حق کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا تو دوبارہ اپنے صرفہ سے طبع کروا کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔**“

(حیات احمدؑ جلد 3 صفحہ 68)

ہجرت کا ارادہ:

آریہ سماج کی مخالفت جب عام ہوئی اور خاص طور پر قادیان میں جب یہ شدت مخالفت حد سے گزر گئی تو آپ نے یہ اظہار فرمایا کہ آپ قادیان سے ہجرت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے شحنہ حق میں ہی ان مخالفین کو مخاطب کر کے لکھا:

”ہم نہیں جانتے کہ ہم نے ان کا کیا گناہ کیا ہے راستی کو تہذیب اور نرمی سے بیان کرنا ہمارا شیوہ ہے ہاں چونکہ یہ لوگ کسی طور سے ناراستی کو چھوڑنا نہیں چاہتے اس لئے سچ کہنے والے کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں سو چونکہ ہمارے نزدیک کلمہ حق سے خاموش رہنے اور جو کچھ خدائے تعالیٰ نے صاف اور روشن علم دیا ہے وہ خلق اللہ کو نہ پہنچانا سب گناہوں سے بدتر گناہ ہے اس لئے ہم ان کی قتل کی دھمکیوں سے تو نہیں ڈرتے اور نہ بجز ارادہ الٰہی قتل کر دینا ان کے اختیار میں ہے...... ہم یہ بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اب ہم اپنے پیارے زاد بوم قادیان کو مصلحت مذکورہ بالا کے لحاظ سے چھوڑ دیں اور کسی دور کے شہر میں جا کر مسکن اختیار کریں کیوں کہ جس جگہ میں ہمارا رہنا ہمارے حاسدوں کے لئے دکھ کا موجب ہو ان کا رفع تکلیف کرنا بہتر ہے کیونکہ بخدا ہم دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ کرنا نہیں چاہتے اور ہمارا خدا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں لیکن میں کہتا ہوں کہ نہ صرف نبی بلکہ بجز اپنے وطن کے کوئی راستباز بھی دوسری جگہ ذلّت نہیں اٹھاتا اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے۔ وَمَنۡ یُّهَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِیۡرًا وَّسَعَةً۔ (النساء: 101) یعنی جو شخص اطاعت الٰہی میں اپنے وطن کے چھوڑے تو خدائے تعالیٰ کی زمین میں ایسے آرام گاہ پائے گا جن میں بلا حرج دینی خدمت بجا لا سکے سوائے ہم وطنوں ہم تمہیں عنقریب الوداع کہنے والے ہیں۔“

(شحنہ حق، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 326)

لیکن بعد کے حالات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارادہ ہجرت اللہ تعالیٰ کے بعض الہامات اور وحی خفی کے تحت ملتوی ہو گیا اور آپ نے اپنی بقیہ زندگی قادیان ہی میں بھرپور طریق پر بسر کی۔ ہندوستان کے آریہ ساجیوں کو بھی

للکارا، دوسرے مخالفین کو بھی مقابل پر بلایا۔ دنیا بھر کے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کو بھی اسلام کی دعوت اور تبلیغ کا پیغام پہنچایا۔ جب ہجرت کا یہ اظہار ہوا تو تب تک دو یا تین کتابیں لکھی گئی تھیں اس کے بعد 90 کے قریب کتب مزید لکھی گئیں۔ ہزاروں خطوط اور اشتہارات اور خطابات اور مناظرات ومباحثات اسکے علاوہ ہیں جو اسی جگہ پر رہتے ہوئے آپ نے کئے۔ قتل کرنے کی دھمکیاں بھی آپ کو ملتی رہیں۔ قتل کرنے کے منصوبے بھی بنائے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کے لئے لوگ آتے بھی رہے۔

لیکن عرش کے قادر مطلق خدا نے کہا تھا یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ (الِ عمران:56) کہ اے عیسیٰ میں ہی تجھے وفات دوں گا، دنیا جتنا مرضی زور لگا لے وہ تجھے مارنے کے جتنے چاہیں منصوبے بنا لیں۔ وہ تجھے مار نہیں سکیں گے۔ ناکام رہیں گے۔ وَاللّٰہُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ:68) اور میں اللہ ہوں جو تجھے ایسے ہر شر پسند لوگوں سے بچائے گا۔ حضرت اقدسؑ کو اس کے بعد ہجرت کی بابت کچھ واضح الہامات بھی ہوئے۔ جیسے 1894ء میں ''داغِ ہجرت'' (تذکرۃ صفحہ 218 ایڈیشن چہارم 2004ء) اور جس پر آپؑ نے ایک بار پھر ہجرت کا ارادہ بھی فرمایا مگر عملاً ہجرت کی نوبت نہ آئی۔ اور پھر یہ الہام خلافت ثانیہ کے مبارک عہد میں پورا ہوا جب خلیفۃ المسیح الثانی یعنی حضرت مصلح موعودؓ کو، جو کہ مَثِیۡلُہٗ وَخَلِیۡفَتُہٗ کے موافق حضرت مسیح موعودؑ کے مثیل وجانشین تھے، 1947ء میں قادیان سے ہجرت کرنا پڑی اور آپؓ پاکستان چلے آئے اور ہجرت کا یہ الہام دوسری مرتبہ پھر اس وقت پورا ہوا جب 1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے عہد مبارک میں ''داغ ہجرت'' کے ہی موافق ایک اور سفر کرنا پڑا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس جانشین کو ربوہ پاکستان سے لندن جانا پڑا۔

❁❁❁❁❁

بائبل میں چند.....

(میر محمود احمد ناصر)

(1) بائبل میں تضاد ہے:

مثلاً متی کی انجیل میں یسوع ناصری کو ابن داؤد ثابت کرنے کے لئے ایک نسب نامہ دیا گیا ہے اور لوقا کی انجیل میں بھی ایک نسب نامہ دیا گیا ہے۔ مگر دونوں نسب ناموں میں حد درجہ اختلاف ہے ناموں کے لحاظ سے بھی اور ناموں کی تعداد کے لحاظ سے بھی۔ بعض یہودی یہ کہتے تھے کہ آنے والا مسیح داؤد کے بیٹے سلیمان کی اولاد سے ہو گا۔ اس لئے متی کی انجیل میں یہی لکھا گیا ہے اور بعض یہودی کہتے تھے کہ آنے والا مسیح داؤد کے بیٹے ناتن کی اولاد سے ہو گا اس لئے لوقا کی انجیل میں یہی لکھا گیا ہے۔

(2) بائبل میں حقائق کے خلاف باتیں ہیں:

مثلاً بائبل میں لکھا ہے کہ خرگوش جگالی کرتا ہے (احبار باب 11 آیت 6) جو حقائق کے خلاف ہے۔

(3) بائبل ظلم اور دہشت گردی کی تعلیم دیتی ہے:

مثلاً لکھا ہے:

> ”جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کے لیے تو جا رہا ہے پہنچا دے اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو یعنی حتیوں اور جرجاسیوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو ساتوں قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں نکال دے۔ اور جب خداوند تیرا خدا انکو تیرے آگے شکست دلائے اور تو انکو مار لے تو تو انکو بالکل نابود کر ڈالنا۔ تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا۔“ (استثناء باب 7 آیت 1،2)

اور بائبل کے ماننے والوں نے اس حکم کی خوب تعمیل کی۔ چنانچہ ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

> ”ہم نے اسے اس کے بیٹوں کو اور اس کے سب آدمیوں کو مار لیا۔ اور ہم نے اسی وقت اسکے سب شہروں کو لے لیا اور ہر آباد شہر کو عورتوں اور بچوں سمیت بالکل نابود کر دیا اور کسی کو باقی نہ

چھوڑا۔“(استثناء باب 2 آیت 33،34)

پھر لکھا ہے:

”خداوند ہمارے خدا نے بسن کے بادشاہ عوج کو بھی اسکے سب آدمیوں سمیت ہمارے قابو میں کر دیا اور ہم نے انکو یہاں تک مارا کہ ان میں سے جوئی باقی نہ رہا۔ اور ہم نے اسی وقت اسکے سب شہر لے لئے اور ایک شہر بھی ایسا نہ رہا جو ہم نے ان سے نہ لیا ہو۔یوں ارجوب کا سارا ملک جو بسن میں عوج کی سلطنت میں شامل تھا اور اس میں ساٹھ شہر تھے ہمارے قبضہ میں آیا۔ یہ سب شہر فصیلدار تھے اور انکی اونچی اونچی دیواریں اور پھاٹک اور بینڈے تھے۔انکے علاوہ بہت سے ایسے قصبے بھی ہم نے لے لیے جو فصیلدار نہ تھے۔ اور جیسا ہم نے حسبون کے بادشاہ سیحون کے ہاں کیا ویسا ہی ان سب آباد شہروں کو مع عورتوں اور بچوں کے بالکل نابود کر ڈالا۔ “(استثناء باب 3 آیت 3 تا 6)

(4)　بائبل اعدادوشمار کے بارہ میں حد درجہ مبالغہ آرائی کرتی ہے۔

مثلاً ایک طرف بائبل میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل جب کنعان سے مصر آئے تو 75 افراد تھے اور جب 4 سو سال کے بعد مصر سے نکلے تو کم از کم چھ 6 لاکھ تھے۔ایک دفعہ اسرائیل کے ایک وزیراعظم نے یہ کہہ دیا کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو صرف 6 سو تھے اس پر اسرائیل کی مذہبی پارٹیوں نے وزیراعظم کے خلاف ملامت کا ووٹ اپنی پارلیمنٹ میں پیش کیا مگر کامیاب نہ ہوئے۔

(5)　بائبل کی بعض پیشگوئیاں سچی ثابت نہ ہوئیں۔

مثلاً بائبل میں یسوع ناصری کی طرف یہ پیشگوئی منسوب کی گئی ہے ابھی یہ نسل تمام نہ ہو گی کہ ان کی آمد ثانی ہو جائے گی۔چنانچہ لکھا ہے:

”اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔“(متی باب 24 آیت 30)

اور اس باب میں آگے لکھا ہے:

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہو گی۔“(متی باب 24 آیت 34)

اس پیشگوئی کے مطابق پولوس نے بھی اپنے ایک خط میں پیشگوئی کہ ہے مگر دو ہزار سال گزر گئے وہ نسل نہیں بلکہ سینکڑوں نسلیں گزر گئیں یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔(1 تھسلنیکیوں باب 4 آیت 16،17)

(6) بائبل میں اقرار ہے کہ وہ انسانی کتاب ہے۔

مثلاً لوقا کی انجیل میں لکھا ہے:

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں۔ جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا۔ اس لئے اے معزز تھیفلس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں۔" (لوقا باب 1 آیت 1 تا 3)

(7) بائبل اپنے چوٹی کے بزرگوں پر حد درجہ ناپاک الزام لگاتی ہے۔

مثلاً حضرت لوطؑ کو اپنی بیٹیوں سے زنا کاری کا (نعوذ باللہ) (پیدائش باب 20) حضرت سلیمانؑ پر شرک کا (1 سلاطین باب 11) حضرت ہارونؑ پر حضرت موسیٰؑ کی بدگوئی کرنے کا (خروج باب 31) اور حضرت پطرس کو شیطان قرار دیتی ہے۔ (متی باب 16 آیت 23)

(8) بائبل موسوی شریعت کو پیش کرتی ہے اور اس کو واجب العمل قرار دیتی ہے۔

مگر بائبل شریعت کو لعنت قرار دیتی ہے۔ یسوع ناصری موسوی شریعت کو واجب العمل قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑیگا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔" (متی باب 5 آیت 18، 19)

مگر پولوس اپنے خطوط میں شریعت کو غیر واجب العمل سمجھتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ یسوع ناصری نے ہمیں شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ (گلتیوں باب 3 آیت 13)

(9) بائبل اپنی تعلیم کو بنی اسرائیل کے لئے محدود کرتی ہے اور یسوع ناصری بھی کہتے ہیں کہ میں اسرائیل کی کوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ (متی باب 15 آیت 24)

مگر پولوس کے خطوط اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں کہ بائبل کی تعلیم کے مخاطب اسی طرح غیر اسرائیلی ہیں جس طرح اسرائیلی۔

❁❁❁❁❁

محمد الیگزنڈر رسل ویب آف امریکہ
(Alexander Russell Webb)
کی حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے خط و کتابت اور ان کا مسلمان ہونا

حضرت اقدس علیہ السلام نے ساری دنیا میں براہین احمدیہ کی تصنیف اور دنیا بھر کے دینی اور دنیاوی رہنماؤں کو نشان نمائی کے اعلان پر مبنی ایک اشتہار شائع فرمایا اور ان سب کو بھیجا گیا۔ دنیا بھر کے ملکوں میں اس کا شہرہ ہوا۔ اور اس کے جواب میں جن لوگوں نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے رابطہ کیا ان میں سے ایک امریکہ کے رہنے والے Alexander Russell Webb الیگزنڈر رسل ویب صاحب (1846-1916) بھی ہیں۔ (اے۔ولیم)

سوانحی تعارف:

مسٹر ویب صاحب نے سب سے پہلی بار حضرت مسیح موعودؑ کو کب خط لکھا ہو گا یہ ابھی قدرے مزید تحقیق طلب امر ہے۔ ابھی تک کی تحقیق کے مطابق 1886ء کے وسط یا اس کے آغاز میں ہی حضورؑ سے ان کا رابطہ ہوا ہو گا۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ اپنی تصنیف شحنۂ حق میں مذکورہ بالا اشتہار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”جو شخص تمام دنیا میں اپنے الہامی دعویٰ کے اشتہار بھیج کر سب قسم کے مخالفوں کو آزمائش کے لئے بلاتا ہے اس کی یہ جرأت اور شجاعت کسی ایسی بنا پر ہو سکتی ہے جو نرا فریب ہے کیا جس کی دعوت اسلام و دعویٰ الہام کے خطوں نے امریکہ اور یورپ کے دور دور ملکوں تک ہل چل مچادی ہے کیا ایسی استقامت کی بنیاد صرف لاف و گزاف کا خس و خاشاک ہے کیا تمام جہان کے مقابل پر ایسا

دعویٰ وہ مکار بھی کر سکتا ہے کہ جو اپنے دل میں جانتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔"

(شحنہ حق، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 373، 372)

یہاں اسی تحریر کے ساتھ حضورؑ اسی جگہ حاشیہ میں رقم فرماتے ہیں:

"امریکہ سے ابھی ہمارے نام ایک چٹھی آئی ہے جس کے مضمون کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ صاحب من ایک تازہ پرچہ اخبار اسکاٹ صاحب ہمہ اوستی میں میں نے آپ کا خط پڑھا۔ جس میں آپ نے ان کو حق دکھانے کی دعوت کی ہے اس لئے مجھ کو اس تحریک کا شوق ہوا۔ میں نے مذہب بدھ اور برہمن مت کی بابت بہت کچھ پڑھا ہے اور کسی قدر تعلیمات زردشت و کنفیوشس کا مطالعہ بھی کیا ہے لیکن محمد صاحب کی نسبت بہت کم۔ میں راہ راست کی نسبت ایسا مذبذب رہا ہوں اور اب بھی ہوں کہ گو میں عیسائی گروہ کے ایک گرجا کا امام ہوں مگر سوائے معمولی اور اخلاقی نصیحتوں کے اور کچھ سکھلانے کے قابل نہیں۔ غرض میں سچ کا متلاشی ہوں اور آپ سے اخلاص رکھتا ہوں۔ آپ کا خادم الیگزنڈر آر وب۔ پتہ۔ 3021۔ اسٹرن اونیو سینٹ لوئس مسوری اضلاع متحدہ امریکہ"

(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 373، 372 حاشیہ)

خاکسار کی ابھی تک کی تحقیق کے مطابق یہ الیگزنڈر رسل ویب صاحب کا پہلا خط ہو گا کیونکہ وہ اس میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ایک اخبار میں انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی نشان نمائی کی دعوت کا اعلان پڑھا ہے۔ اور وہ پڑھ کر حضورؑ کی خدمت میں خط لکھ رہے ہیں۔ پھر ان کا ایک اور خط یکم اپریل 1887ء کو حضورؑ کی خدمت میں پہنچا ہے۔ یہ خط انہوں نے 24 فروری 1887ء کو لکھا تھا اور اس خط کے جواب میں لکھا تھا جو انہیں امریکہ میں 17 دسمبر 1887ء کو ملا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ خط حضورؑ نے ان کو اکتوبر، نومبر 1887ء کو لکھا ہو گا۔

یکم اپریل 1887ء کے خط کے جواب میں حضورؑ نے 4 اپریل 1887ء کو انہیں ایک خط لکھا۔ یہ دونوں خط شحنہ حق میں موجود ہیں۔ حضور اقدس علیہ السلام سے اس خط و کتابت کے نتیجہ میں مسٹر ویب صاحب کو اسلام قبول کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اور یوں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ امریکہ کا یہ پہلا خوش نصیب تھا کہ جسے حضور علیہ السلام کے ذریعہ اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی۔

مسٹر ویب صاحب ایک پُرجوش مبلغ اسلام ثابت ہوئے یا یوں کہنا چاہیے کہ انہوں نے اسلام کا پیغام پہنچانے کی اپنی سی بھرپور کوشش بھی کی۔ لیکن افسوس کہ ان کی مساعی میں وہ جان نہ پڑ سکی، وہ رنگ اور وہ ثمر بار نتائج نہ مل سکے جو مل سکتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے ہندوستان کے بعض مسلمان رہنماؤں کے کہنے سننے میں آ کر حضرت اقدس مسیح

موعودؑ سے ناطہ توڑ کر یہ کوشش شروع کی اور یوں ایک جسم بے جان کی طرح، یعنی ایسے جسم کو لے کر پروان چڑھانے کی کوشش میں رہے کہ جس میں جان باقی تھی نہ ہی روح۔

مسٹر ویب صاحب کی بدنصیبی کی یہ کہانی اُس وقت شروع ہوتی ہے کہ جب وہ ہندوستان کی سیر پر جو اصل میں تبلیغی مساعی کے لئے فنڈز اکٹھے کرنے کی ایک مہم سمجھی جانی چاہیئے اس کے لئے ہندوستان تشریف لائے۔ چونکہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ خط وکتابت کرتے رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے بہت کوشش کی کہ قادیان میں حضورؑ سے ملاقات وزیارت کا شرف حاصل کر سکیں۔ لیکن یہاں کے نام نہاد علماء ور ہنماؤں نے ان کو ورغلایا اور گمراہ کیا کہ ان سے نہیں ملنا چاہیئے ورنہ ہماری مساعی کو نقصان پہنچے گا اور وہ بھلامانس، ان شیطانی چالوں میں پھنس کر خدا کے نبی اور رسول کی زیارت کے بغیر اور محروم ہی واپس لوٹ گیا۔ ویب صاحب کو بعد میں اس محرومی اور بدنصیبی کا بہت پچھتاوا رہا۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ ذکر کرتے تھے کہ میں کیونکر اس چاند چہرے کو دیکھنے سے محروم اور بے نصیب رہا۔ بعد کے ایک خط میں جو انہوں نے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کو لکھا تھا اس میں تحریر کیا کہ:

”اور میں پچھتاتا ہوں کہ وہ (مولوی محمد حسین صاحب) اور مَیں دونوں مل کر اُسی وقت قادیان کیوں نہ گئے۔“

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ 312)

سلسلہ احمدیہ کے اولین مؤرخ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ کو بھی مسٹر ویب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

”مسٹر الیگزینڈر ویب ہندوستان کے سفر سے واپس چلے گئے اور اپنے مشن میں ناکام ہو گئے جب وہ لاہور آئے تھے تو راقم الحروف کو بھی ان سے ملنے اور دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے (جو بعد میں مرتد ہو گئے) ان کو بہت کچھ ترغیب دلائی مگر انہوں نے یہ سمجھا کہ اس وقت وہاں جانا میرے مشن کی ناکامی کا باعث ہو جائے گا۔ لیکن آخر وہی ناکامی ہوئی۔ **اس محرومی کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ اور ان کو حسرت رہی کہ پھر وہ ہندوستان آئیں۔** اور حضرت کے حضور سعادت انداز ہوں مگر اب وقت نکل چکا تھا انہوں نے حضرت ڈاکٹر محمد صادق صاحب سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے تأسف کا اظہار کرتے رہے۔“ (حیات احمدؑ جلد 2 صفحہ 522)

مسٹر ویب صاحب ہندوستان کیسے آئے اور کیونکر وہ حضرت اقدس علیہ السلام کی زیارت سے محروم رہے۔ آیئے جو مرکزی کردار تھے انہی کی زبانی سنتے ہیں اور وہ تھے مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری جو ہندوستان کے پہلے مسلم مشنری

کہلاتے ہیں۔ وہ اپنی تصیف ”تائید حق“ میں یہ سارا ماجرا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ملک اَمریکہ میں اسلام کیونکر پھیل رہا ہے۔ اس قصّہ سے بہت حضرات پورے واقف نہیں ہوں گے۔ ملک امریکہ کے شہر ہڈسن علاقہ نیویارک میں 1846ء میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام الیگزنڈر رسل وب رکھا گیا۔ اس شخص کا باپ ایک نامی و مشہور اخبار کا ایڈیٹر و مالک تھا۔ وب صاحب نے کالج میں پوری تعلیم پائی اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر ایک ہفتہ واری اخبار جاری کیا۔ وب صاحب کی لیاقت علمی طرز و تحریر کا شہرہ دُور دُور ہوا۔ ایک روزانہ اخبار سینٹ جوزف مسوری ڈیلی گزٹ کے اڈیٹری کے معزز عہدہ پر ویب صاحب کی دعوت کی گئی۔ پھر اس کے بعد اور کئی اخباروں کی اڈیٹری کا کام ویب صاحب کے سپرد ہوتا رہا۔ کوئی صاحب لفظ اخبار کے کہنے سے کہیں رفیق ہند علی گڈھ اِنسٹیٹوٹ گزٹ اور اخبار عام کی اڈیٹری نہ سمجھ لیں۔ ہندوستان کے دیسی اخباروں کو امریکہ کے اخباروں سے وہی نسبت ہے۔ جو ایک تین چار برس کے لڑکے کو ایک چالیس پچاس برس کے ذی علم و تجربہ کار شخص کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ امریکہ کے اخباروں کی تعداد کا حساب ہزار سے نہیں ہوتا۔ بلکہ لاکھ سے۔ پھر اڈیٹر بھی اسی لیاقت و دماغ کا آدمی ہوتا ہے۔ جو اگر ضرورت ہو تو وزارت کے کام کو بھی انجام دے سکے۔ جس اخبار کے وب صاحب اڈیٹر تھے۔ وہ امریکہ میں دوسرے نمبر کا اخبار گنا جاتا تھا۔ یعنی ایک ہی اخبار ساری قلمرو میں ایسا تھا۔ جو وب صاحب کے اخبار سے زیادہ درجہ اور رتبہ کا تھا۔ ویب صاحب کی قابلیّت اور لیاقت کا ایسا شہرہ ہوا کہ پریذیڈنٹ سلطنت امریکہ نے ان کو سفارت کے معزز عہدہ پر مقرر کر کے جزیرہ فلپائین کے پایہ تخت منیلا کو روانہ کیا۔ سفیر سلطنت گورنر کا ہمرتبہ ہوتا ہے۔

1873ء میں مسٹر ویب نے دین عیسوی کو ترک کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مذہب سراسر خلاف عقل و عدل ہے۔ کئی برس تک وب صاحب کا کوئی دین نہ تھا۔ لیکن ان کو ایک قسم کی بے چینی تھی۔ دل میں خیال کیا کہ اس جہان کے سارے اَدیان پر غور کروں۔ شائد ان میں سے کوئی سچا مذہب ہو۔ پہلے پہل بدھ مذہب کی تحقیقات شروع کی۔ تحقیقات کامل کے بعد اُس مذہب کو تشفّی بخش نہ پایا۔ **اسی زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحبؑ مجدّد زمان کے انگریزی اشتہارات کی یورپ و امریکہ میں خوب اشاعت ہو رہی تھی۔ وب صاحب نے اس اشتہار کو دیکھا اور مرزا صاحبؑ سے خط و کتابت شروع کی۔ جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ وب صاحب نے دین اسلام قبول کر لیا۔**

حاجی عبداللہ عرب ایک میمن تاجر ہیں۔ جو کلکتہ میں تجارت کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے لاکھ دو لاکھ کی پونجی کا اُن کو سامان کر دیا۔ تو ہجرت کر کے مدینہ میں جا بسے۔ وہاں باغوں کے بنانے میں بہت کچھ صرف کیا۔ بہت عمدہ عمدہ باغ تیار

تو ہو گئے۔ لیکن عرب کے بدّوؤں کے ہاتھوں پھل ملنا مشکل ہوا۔ آخر بیچارے پریشانی میں مبتلاء ہو گئے۔ جدّہ میں آ کر ایک مختصر پونجی سے تجارت شروع کر دی۔ بمبئی سے تجارتی تعلّق ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں بھی کبھی کبھی آ جاتے ہیں۔ یہ بزرگ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مومن ہے۔ اللہ نے اس شخص کو مادر زاد ولی بنایا ہے۔ اس کمال و خوبی کا مسلمان میری نظروں سے بہت ہی کم گذرا ہے۔ مثل بچوں کے دِل گناہوں سے پاک و صاف، خدا پر بہت ہی بڑا توکّل، ہمّت نہایت بلند، مسلمانوں کی خیر خواہی کا وہ جوش کہ صحابہؓ یاد آ جائیں۔

اے خُدا اگر عبداللہ عرب کے ایسے پانچ سو مسلمانوں کی جماعت بھی تُو قائم کر دے۔ تو ابھی مسلمانوں کی دُنیا بھی بدل جائے۔ خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بھی کچھ تھوڑا سا جوش اہلِ اسلام کی خیر خواہی کا عنایت فرمایا ہے۔ لیکن جب میں عبداللہ عرب کے جوش پر غور کرتا ہوں۔ تو سر نیچا کر لیتا ہوں۔ مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ بڑا نیک ظن ہے اور وہ بھی مجھے محبت سے ملتے ہیں۔ مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ رہنے کا عرصہ تک موقع ملا ہے۔ اگر مَیں اُن کی رُوحانی خوبیوں کو لکھّوں تو بہت طول ہو جائے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس آخری زمانہ میں بھی اس قسم کے مسلمان موجود ہیں۔ اور مکّہ معظمہ میں نہر زبیدہ کی اِصلاح کے لئے قریب چار لاکھ روپیہ کے چندہ ایک عبداللہ عرب صاحب کی کوشش سے جمع ہوا تھا۔

بمبئی میں عبداللہ عرب صاحب نے الگزنڈر رسل وب سفیر امریکہ کے مسلمان ہونے کا حال سُنا تو فوراً انگریزی میں خط لکھوا کر وب صاحب کے پاس رَوانہ کیا۔ وب صاحب نے بھی ویسے ہی گرمجوشی کے ساتھ جواب دیا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ اگر آپ کسی طرح منیلہ[1] آ سکتے تو اَمریکہ میں اشاعت اسلام کے کام میں کچھ اصلاح و مشورہ کیا جاتا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب کو حضرت پیر سیّد اشہد الدین جھنڈیوالے سے بیعت ہے۔ شاہ صاحب کی بڑی عظمت عبداللہ عرب کے دل میں ہے۔ مجھ سے اِس قدر تعریف ان کی بیان کی ہے کہ مجھ کو بھی مشتاق بنا دیا ہے کہ ایک بار حضرت پیر سید اشہد الدین صاحب کی ملاقات ضرور کروں۔ جب کوئی اہم کام پیش ہوتا ہے تو حاجی عبداللہ عرب صاحب اپنے پیر و مرشد سے صلاح ضرور ہی لے لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مرشد سے منیلہ جانے کے بارے میں استفسار کیا۔ استخارہ کیا گیا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ ضرور جاؤ۔ اس سفر میں کچھ خیر ہے۔ عبداللہ عرب صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ تو بھی منیلہ چل۔ مَیں انگریزی نہیں جانتا۔ اور ویب صاحب اُردو نہیں جانتے۔ ایک مترجم ضروری ہے۔ اور ایک نو مسلِم سے ملنا ہے۔ نہ معلوم اس بیچارے کو دین اسلام کے بارہ میں کیا کچھ پُوچھنے کی حاجت ہو۔ میں اس زمانہ میں کٹک میں تھا۔ کلکتہ میں حاجی صاحب میرا بہت انتظار

[1] منیلہ (Manila) فلپائن کا دارالحکومت

کرتے رہے۔ مسلمانان کٹک نے مجھ کو جلد رخصت نہ دی۔ آخر وہ ایک یوریشین نو مسلم کو لے کر منیلا چلے گئے۔ اس سفر میں حاجی صاحب کا ہزار روپیہ سے بالا صرف ہوا۔

ویب صاحب سے ملاقات ہوئی تو یہ بات طے پائی کہ ویب صاحب سفارت کے عہدہ سے استعفیٰ داخل کریں۔ اور اشاعت اسلام کے لئے حاجی عبد اللہ صاحب چندہ جمع کریں۔ حاجی صاحب نے ہندوستان واپس آکر مُجھ سے ملاقات کی۔ اَور میرے ذریعہ سے ایک جلسہ حیدر آباد میں قائم ہوا۔ جس میں چھ ہزار روپیہ چندہ بھی جمع ہوا۔ لیکن میں نے حاجی صاحب سے کہہ دیا کہ ابھی ویب صاحب کو عہدہ سے علیحدہ ہونے کو نہ لکھو۔ جب تک چندہ پُورا جمع نہ ہو لے۔ حاجی صاحب نے اپنے جوش میں میری نہ سُنی۔ اور بمبئ سے تار دیا کہ سب ٹھیک ہے۔ تم نوکری سے استعفیٰ داخل کر دو۔ چنانچہ ویب صاحب نے ویسا ہی کیا۔ اور ہندوستان آئے۔ مَیں بمبئ سے ساتھ ہوا۔ بمبئ، پُونہ، حیدر آباد، مدراس میں ساتھ رہا۔ **حیدر آباد میں ویب صاحب نے مجھ سے کہا کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اُنہیں کی وجہ سے مَیں مشرف بہ اسلام ہوا۔ مَیں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کی بدنامی وغیرہ کا جو قصّہ میں نے سُنا تھا۔ اُن کو سُنایا۔ ویب صاحب نے حضرت صاحب کو ایک خط لکھوایا۔ جس کا جواب آٹھ صفحہ کا حضرت نے لکھ کر بھیجا۔** اور مجھ کو لکھا کہ لفظ بلفظ ترجمہ کرکے ویب صاحب کو سُنا دینا۔ چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا۔

وب صاحب نہایت شوق و ادب کے ساتھ حضرت اقدس کا خط سُنتے رہے۔ خط میں حضرت نے اپنے اس دعویٰ کو معہ دلیل کے لکھا تھا۔ پنجاب کے علماء کی مخالفت اور عوام میں شورش کا تذکرہ تھا۔ حضرت نے یہ بھی لکھا تھا کہ مجھ کو بھی تم سے (یعنی ویب صاحب سے) ملنے کی بڑی خواہش ہے۔ ویب صاحب حاجی عبد اللہ عرب کی اور میری ایک کمیٹی ہوئی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ رائے یہی ہوئی کہ مصلحت نہیں ہے کہ ایسے وقت میں کہ ہندوستان میں چندہ جمع کرنا ہے۔ ایک ایسے بدنام شخص سے ملاقات کرکے اشاعت اسلام کے کاموں میں نقصان پہنچایا جائے۔ اب اِس بد فیصلہ پر افسوس آتا ہے۔ وب صاحب لاہور گئے۔ تو اِسی خیال سے قادیان نہ گئے لیکن بہت بڑے افسوس کی بات یہ ہوئی کہ ایک شخص نے ویب صاحب سے پُوچھا کہ آپ قادیان حضرت مرزا صاحب کے پاس کیوں نہیں جاتے۔ تو انہوں نے یہ گستاخانہ جواب دیا کہ قادیان میں کیا رکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے ویب صاحب کے اس نامعقول جواب کو حضرت اقدس تک پہنچا بھی دیا۔ غرض ہندوستان کے مشہور شہروں کی سَیر کرکے ویب صاحب تو امریکہ جاکر اشاعت اسلام کے کام میں سرگرم ہو گئے۔ دو ماہ تک مَیں ویب صاحب کے ساتھ رہا۔ ویب صاحب حقیقت میں آدمی معقول ہے اور اسلام کی سچّی محبت اوس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا اُن کے معلومات بڑھانے، خیالات کج کو درست کرنے اور مسائل ضروری کی تعلیم میں کوشش کی۔ **اور شیخ محمدؐ میرا ہی**

رکھا ہوا نام ہے۔

جیسا مَیں نے کہا تھا، ویسا ہوا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے چندہ کا وعدہ تو کیا۔ لیکن ادا ہوتا ہوا کہیں سے نظر نہیں آتا تھا۔ حاجی عبد اللہ عرب صاحب نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن نرود میخ آہنی در سنگ[1]، لاکھوں روپیہ خلاف شرع شریف خرچ کرنے میں مسلمان مستعد و سرگرم ہی رہے اور اُس بہت بڑے کام میں کُچھ بھی نہ دیا۔ صرف رنگون اور حیدر آباد دکن سے تو کُچھ کیا گیا۔ کل روپے جو میرے خیال میں بھیجے گئے۔ وہ تیس ہزار ہوں گے۔ جس میں حاجی عبد اللہ صاحب عرب کا سولہ ہزار روپیہ ہو گا۔ بیچارہ غریب حاجی اس نیک کام میں پِس گیا۔

جب حاجی عبد اللہ عرب صاحب چندہ کے فراہم نہ ہونے سے سخت بے چینی میں مبتلا ہوئے۔ تو اپنے پیر صاحب کی طرف متوجہ ہُوئے اور حضرت سیّد اشہد الدین صاحب کی خدمت میں جاکر عرض کیا۔ حضرت پیر صاحب نے استخارہ کیا۔ معلوم ہوا کہ انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے روحانی تصرفات کی وجہ سے اشاعت ہو رہی ہے۔ اُن سے دعا منگوانے سے کام ٹھیک ہو گا۔ دُوسرے دن حاجی صاحب کو پیر صاحب نے خبر دی۔ اس پر حاجی صاحب نے بیان کیا کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کی علمائے پنجاب و ہند نے تکفیر کی ہے۔ ان سے کیونکر اس بارہ میں کہا جائے۔ اس بات کو سُن کر شاہ صاحب نے بہت تعجّب کیا اور دوبارہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور استخارہ کیا۔ خواب میں جناب حضرت محمد ﷺ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اور حضور نے فرمایا کہ مرزا غلام احمد اس زمانہ میں میرا نائب ہے۔ وہ جو کہے وہ کرو۔ صبح کو اُٹھ کر شاہ صاحب نے کہا کہ اب میری حالت یہ ہے کہ مَیں خود مرزا صاحب کے پاس چلوں گا اور اگر وہ مجھ کو امریکہ جانے کو کہیں تو میں جاؤں گا۔ جب کہ حاجی عبد اللہ عرب صاحب نے اور دوسرے صاحبوں نے خواب کا حال سُنا۔ اور پیر صاحب کے ارادہ سے واقف ہوئے۔ تو مناسب نہ سمجھا کہ پیر صاحب خود قادیان جائیں۔ سب نے عرض کیا کہ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ **آپ کی طرف سے کوئی دُوسرے صاحب حضرت مرزا صاحب کے پاس جاسکتے ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب کے خلیفہ عبد اللطیف صاحب اور حاجی عبد اللہ عرب صاحب قادیان آئے اور سارا قصّہ بیان کرکے خواستگار ہوئے کہ** حضرت اقدس اس طرف متوجہ ہوں۔ تاکہ اشاعت اسلام کا کام امریکہ میں عمدگی سے چلنے لگے۔

بیان مذکورہ بالا میں نے خود حاجی عبد اللہ عرب صاحب سے سُنا ہے۔ اور جیسا کہ مَیں پہلے لکھ آیا ہوں۔ حاجی صاحب کو مَیں ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا باخدا آدمی سمجھتا ہوں۔ اس لئے اس خبر کو جُھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جس حالت میں مرزا صاحب ایک بدنام شخص ہو رہے ہیں۔ اور جھنڈے والے پیر صاحب ایک نامی آدمی ہیں۔ عبد اللہ عرب صاحب

[1] لوہے کے کیل پتھر سے نہیں گزرتے۔

کو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اپنے مُرشد کے بارے میں ایک ایسا قصّہ تصنیف کریں جِس سے ظاہراً اُن کا نقصان ہی نقصان ہے۔

حاجی عبداللہ عرب صاحب سے مجھ کو ایک اور عجیب بات معلوم ہوئی کہ قسطنطنیہ میں سیّد فضل صاحب ایک باکمال بزرگ رہتے ہیں۔ جن کو سلطان رُوم بہت پیار کرتے ہیں۔ سیّد فضل صاحب کے بزرگوں میں ایک شیخ گزرے ہیں۔(مَیں اُن کا نام وغیرہ آیندہ دریافت کرکے کسی دُوسرے رسالہ میں درج کروں گا۔)جو صاحب کشف و کرامات تھے۔ وہ اپنے ملفوظات میں لکھ گئے ہیں کہ آخری زمانہ میں مہدی علیہ السلام تشریف لاویں گے۔ تو مغربی ملکوں میں ایک بہت بڑی قوم گورے رنگ والی حضرت مہدی علیہ السلام کی بڑی معین و مددگار ہوگی اور وہ سب داخلِ اسلام ہوگی۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔"(رسالہ تائید حق از مولوی محمد حسن علی ص80 تا86 بحوالہ ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ص302 تا307)

اس باب کے شروع میں ذکر ہوا ہے کہ شحنۂ حق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور الیگزنڈر رسل ویب کے مابین ہونے والی خط وکتابت مندرج ہے۔ یہاں وہ خطوط بھی ہدیہ ٔقارئین کئے جاتے ہیں۔

3021EASTON AVENUE,
ST. Louis Missouri, U. S. A.
February 24th, 1887
BABU MIRZA GHULM AHMAD
Esteemed Sir,

I cannot adequately express to you my gratitude for the letter received from you underd date of December 17. I had almost given up all hope of receiving a reply but the contents of the letter and circulars fully repaid me for the delay. I hardly know what to say in reply except that I am stil very anxious to gain more of the truth than I have thus far found.

After reading your circulars an idea occured to me which I will present to you for your consideration knowing rather feeling confident you, who are so more spiritual than I, so much nearer to God, will answer me in a way that will be for the best. Were it possible for me to visit India I would do so only too gladly. I am so situated that it seems almost an impossibility I am married and have three children, For nearly two years I have been living a life of celibacy and shall continue to do so as long as I live. My income is not sufficient to justify me in giving up my business as it requires all that I can make to support my family; therefore, even if I had sufficient means to enable me to make the

journey to India I would not be able to furnish support for my family during my absence. Therefore a visit to being out of the question it occured to me that I might through your aid assist in spreading the truth here, If, as you say the Muhammadan is the only true religion why could I not act as its Apostle or promulgator in America. My opportunities for doing so seem to me good if I had some one to lead me aright at first. I have been led to believe that not only Muhammad but also Jesus, Gautam Budha, Zoroaster and many others taught the truth, that we should, however, worship God and not men. If I could know what Muhammnad really taught that was superior to the teachings of others, I could then be in a position to defend and promulgate the Muhammadan religion above all others. But the little I do know of his teachings is not sufficient for me to do effective work with. The attention of The American people is being quite generally attracted to the oriental religious but Buddhism seems to be the foremost in their investigations. The public mind, I think is now more than ever fitted to receive Muhammadanism as well as Buddhism and it may be that through you it is to be introduced in my country. I am convinced that you are very much in earnest. I have no reason to doubt that you are inspired by God to spread the light of truth therefore I would be happy to know more of your teachings and to hear further from you.

God, who can read all hearts, knows that I am seeking for the truth that I am ready and eager to embrace it wherever I can find it.If you can lead me into its blessed light you will find me not only a willing pupil but an anxious one. I have been seeking now for three years and have found a great deal. God has blessed me abundantly and I want to do His work earnestly and faithfully. How to do it is what has moved me—how to do it so that the most good may be accomplished. I pray to Him that he way may be pointed out clearly to me so I that may not go astray. If you can help me I hope that you will do so. I shall keep your letter and prize it highly. I will get the circulars printed in one of the leading American newspapers so that they will have a wide spread circulation and I will send you a copy of the paper. They may reach the eyes of many who will become interested. I shall be happy to receive from you at any time matter

which you may have for general circulation and if you should see fit to use my services to further the aims of truth in the country they will be freely at your disposal provided, of course, that I am capable of receiving your ideas and that they convince me of their truth. I am already well satisfied that Muhammad taught the truth that the pointed out the way to salvation and that those who follow His teachings will attain to a condition of eternal bliss. But did not Jesus Christ also teach the way?

Now suppose I should follow the way pointed out by Jesus. Would not my salvation be as perfectly assured as if I followed Islam? I ask with a desire to know the truth and not to dispute or argue. I am seeking the truth not to defend any theory’. I think I understand you to be a follower of the esateric teachings of Muhammad and not what is known to the masses of the people as Muhammadanism; that you recognize the truths that underlie all religions and not their exoteric features which have been added by men. I too regret very much that I cannot understand your language nor you mine; for I feel quite sured that you could, tell many things which I much desire to know. However I am impressed to believe that God will provide a way if I try to deserve His love. Blessed be His holy name and I hope that I may hear from you again and that we may some day meet in spirit even if we cannot meet in the body.

May the peace of God be with you and with those who listen to your words. I Pray that all your hopes and plans may be realised.

With reverence and esteem.

I am

Yours Respectfully,

ALEX. R WEBB,

ST. LOUIS MISSOURI,

3021Easton Avenue.

3021۔ایسٹن ایونیو

سینٹ لوئی مسوری یو۔ایس۔اے

24/ فروری 1887ء

مرزا غلام احمد صاحب مخدومنا

آپ کی چٹھی مورخہ 17 دسمبر میرے پاس پہنچی۔ میں اس قدر شکر گزار اور مرہون منت ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ جواب پہنچنے کی میں تمام امیدیں قطع کر چکا تھا۔ لیکن اس آپ کی چٹھی اور اشتہار نے توقّف کا پورا پورا عوض دے دیا۔ بہ سبب ہیچمدانی اور کم واقفیتی کے میں صرف یہی جواب میں لکھ سکتا ہوں کہ ہمیشہ سے میرا یہی شوق اور یہی آرزو ہے کہ سچی حقیقتوں سے مجھے اور بھی زیادہ خبر ہو۔ آپ کا اشتہار پڑھنے کے بعد میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا جس کو میں بغرض غور و تفکّر حضور پیش کروں گا نہ صرف معقولی طور سے بلکہ ایمانی جوش کی تحریک سے یقین کرتا ہوں کہ آپ جو روحانی ترقی میں میرے سے بڑھ کر اور خدا کے قریب تر ہیں مجھ کو ایسی طرز سے جواب دیں گے جو کہ افضل و انسب ہو۔ اگر میرے لئے ہندوستان میں پہنچنا ممکن ہوتا تو میں نہایت خوشی سے پہنچتا لیکن میری ایسی حالت ہے کہ پہنچنا محال ہوتا ہے۔ **میری شادی ہو چکی ہے اور تین بچے ہیں قریب دو سال کے ہوئے میں نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے اور ایسا ہی بقیۃ العمر کرتا رہوں گا میری آمدنی اس قدر نہیں ہے** کہ میں اپنے کام سے بلا قباحت علیحدہ ہو سکوں کیونکہ اس آمدنی سے میں بانتظام تمام اپنے عیال و اطفال کی پرورش کر سکتا ہوں اس وجہ سے اگر میں ہندوستان پہنچنے کے لئے کافی زاد راہ بہم پہنچا بھی سکوں تاہم یہ غیر ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عیال کے لئے دوری کی حالت میں کافی ذخیرہ مہیا کر سکوں۔ اس لئے ہندوستان میں پہنچنا دور از قیاس دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اسی جگہ (آپ کی اعانت سے) سچائی پھیلانے میں کچھ خدمت کر سکتا ہوں اگر جیسے کہ آپ فرماتے ہیں دین اسلام ہی سچا دین ہے تو پھر کیا وجہ کہ میں امریکہ میں تبلیغ و اشاعت کا کام نہ کر سکوں بشرطیکہ مجھ کو کوئی رہبر مل جائے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ کو اس طرح کی اشاعت کے لئے معقول موقعات حاصل ہیں۔ مجھ کو یقین ہوا ہے کہ نہ صرف محمدؐ صاحب نے بلکہ عیسیٰ و گوتم بدھ و ذوروسٹر اور بہت سے اور لوگوں نے سچ کی تعلیم دی اور یہ بتلایا کہ ہم کو نہ انسان کی بلکہ خدا کی عبادت اور پرستش کرنی لازم ہے اور اگر مجھ کو یہ سمجھ آجائے کہ جو محمد صاحب نے تعلیم دی ہے وہ اوروں کی تعلیم سے افضل ہے تب میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ دین محمدی کی دیگر مذاہب سے بڑھ کر حمایت اور اشاعت کروں لیکن ان کی تعلیمات کا جو مجھ کو قدرے علم ہوا ہے اسی قدر علم سے میں حمایت و اشاعت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ باشندگان امریکہ کی توجہ عام طور سے مشرقی مذاہب کی طرف کھنچی ہوئی ہے

اور تحقیقات مذہب بدھ میں دیگر تمام مذاہب کی نسبت زیادہ مشغول ہیں میرے قیاس کے موافق آج کل عام لوگوں کے خیالات ہمیشہ کی نسبت قبولیت دین اسلام و مذہب بدھ کے لئے زیادہ تر لائق و قابل ہو رہے ہیں اور یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے طفیل سے میرا یہ مذہب میرے ملک میں اشاعت پا جاوے میں کامل یقین رکھتا ہوں کہ آپ شوق وذوق کے ساتھ مصروف ہیں۔ میں کسی دلیل سے شبہ نہیں کر سکتا کہ آپ کو خدا نے بغرض اشاعت نور حقّانیت مشرّف بالہام کیا ہے پس یہ میرے سرور حقیقی کا باعث ہو گا کہ میں آپ کی تعلیم کی زیادہ قدر و منزلت کروں اور آپ سے اور تعلیم بھی حاصل کروں خداوند تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے جانتا ہے کہ میں سچ کی تلاش کر رہا ہوں اور جب کبھی مل جائے قبول کرنے کے لئے آمادہ و مشتاق ہوں اگر آپ حقّانیت کی مبارک روشنی کی طرف میری رہنمائی کریں تو آپ دیکھیں گے کہ میں سرد جوش مقتدی نہیں بلکہ ایک گرم جوش طالب ہوں میں تین سال سے اس تلاش میں ہوں اور بہت کچھ معلوم بھی کر چکا ہوں کہ خدا نے مجھ پر بافراط اپنی برکتیں نازل کیں اور میری یہ تمنّا ہے کہ اس کے کام کو بشوق بصدق تمام تر انجام دوں ہاں یہ کشمکش پیدا ہو رہی ہے کہ کس طرح اس کام کو کروں کیا کروں اور کس طرح کروں کہ یہ کام اکمل طور سے پورا کر سکوں اس کی جناب میں یہ دعا ہے کہ مجھ کو راہ کی صاف صاف رہنمائی ہو اور گمراہی سے محفوظ رہوں۔ اگر آپ میری مدد کریں تو میں امید کرتا ہوں کہ آپ ایسا کر دیں گے میں آپ کی چٹھی کو حفاظت سے رکھوں گا اور اس کی نہایت تکریم کروں گا میں آپ کے اشتہار کو امریکہ کے کسی نامور اخبار میں چھپوا دوں گا اور ایک نسخہ اس اخبار کا آپ کے پاس بھی بھیجوں گا جس سے اس کی شہرت بہت وسعت پا جائے گی اور وہ ایسے لوگوں کی نظروں میں گزرے گا جو اس طرح کے معاملات میں شوق اور توجہ ظاہر کریں گے آئندہ کو کوئی اور حقیقت جو آپ عام طور سے مشتہر کرنا چاہیں گے اور میرے پاس اسی غرض سے بھیجیں گے تو یہ میری کمال خوشی اور سرور کا باعث ہو گا اور اگر آپ میری خدمتوں کو امریکہ میں امور حقّانی کی اشاعت کے قابل سمجھیں تو آپ کو ہر وقت مجھ سے ایسی خدمت کرانے کا پورا پورا اختیار ہے بشرطیکہ مجھ تک آپ کے خیالات پہنچتے رہیں اور میں ان کی حقّانیت کا قائل ہوتا رہوں مجھ کو یہ تو بخوبی یقین ہو چکا ہے کہ محمدؐ صاحب نے سچ پھیلایا اور راہ نجات کی ہدایت کی اور جو شخص کہ اس کی تعلیمات کے پیرو ہیں ان کو ہمیشہ کے لئے خوش اور مبارک زندگی حاصل ہو گی۔

مگر کیا عیسیٰ مسیح نے بھی سچا اور سیدھا راہ نہیں بتلایا؟ اور اگر میں ہدایت عیسیٰ کی متابعت کروں تو پھر کیا نجات کی ایسی یقینی طور سے امید نہیں کی جاسکتی جیسے کہ دین اسلام کی متابعت سے؟ میں سچ معلوم کرنے کی غرض سے سوال کر رہا ہوں نہ مباحثہ وجدال کی غرض سے میں حق کی تلاش کر رہا ہوں۔ میں کسی خاص دعویٰ کے اثبات کے لئے جدل کرنا نہیں چاہتا میں خیال کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ آپ محمدؐ صاحب کی فی الحقیقت ہدایات کے پیرو ہیں نہ ان عقائد کے جو عامہ

خلائق دین محمدی سے مراد لیتے ہیں اور تمام مذاہب میں جو سچ سچ حقیقتیں موجود ہیں ان کو مانتے ہیں نہ ان عقائد کو جو عام لوگ بعد میں اپنی طرف سے زیادہ کرتے رہے مجھے یہ بھی سخت افسوس ہے کہ میں آپ کی زبان سمجھ نہیں سکتا ہوں اور نہ آپ میری زبان سمجھ سکتے ہیں ورنہ میں یقیناً کہتا ہوں کہ جو سبق میں آپ سے چاہتا ہوں وہ ضرور آپ مجھے سکھاتے تاہم امید قوی رکھتا ہوں کہ اگر میں خدا کی محبت کے لائق ہونے کی طلب میں رہوں گا تو بے شک وہ کوئی نہ کوئی ایسا طریق نکال دے گا۔ مبارک ہو اس کا پاک نام۔ اب امیدوار ہوں کہ پھر آپ سے کچھ اور حال سنوں۔ اور اگرچہ جسمانی ملاقات حاصل نہ ہو سکے تاہم روحانی ملاقات نصیب ہو آپ پر اور آپ کے کلمات سننے والوں پر خدا کا فضل ہو۔ دعا کرتا ہوں کہ تمام آپ کی امیدیں اور تدبیریں پوری ہوں۔ زیادہ آداب و نیاز۔

آپ کا نیاز مند الیگزنڈر آر۔ ویب

سینٹ لوئی مسوری 3021۔ ایسٹن ایونیو۔ امریکہ

Reply of the above said letter.

Dear Sir

I received your letter, dated 24th of February 1887, which proved itself to be great delight to my heart and a saitisfaction to my anxieties. The contents of the letter not only increased my love towards you that led me to the hope of a partial realization of the object which I have in view for which I have dedicated the whole of my life, viz, not to confine the spread of the light of truth to the oriental world but, as far as it lies in my power to further it in Europe, America & Co. Where the attention of the people has not been sufficiently attracted towards a proper understanding of the teachings of Islam. Therefore I consider it an honour to comply with your request; and have a strong confidence in the Almighty Creater, Who is with me, that He will assist me in giving you a perfect and permanent satisfaction. I give you my word the course of about five months I will compile a work containing a short sketch of the teachings of the Al-Quran, have it translated into English and printed and then send a copy of it to you. I strongly hope that it will bring full and final conviction to a justful, considerate and uncontaminated mind like yours, enoble your soulendow you with a firm belief in God and improve your knowledge of Him. But perhaps it may be, that the various demands on my time may not allow me to spare a sufficient time for sending the whole work at once. In such a case I will send it to

you in two or three batches. I will not end the communication of instruction to you by this treatise but will continue satisfying your thirst after the investigation of truth for the rest of my life. Your friendly words permit me to entertain the happy idea that I will in a short time have the intelligence that the instinctive moral greatness has directed not only to you but to many other virtuous men of America to the right way of salvation pointed out by Islam. Here I end my letter of earnestness and sincerety May God you and I be kept secure from all earthly and heavenly misfortunes and have all our hopes and plans realized.

Yours sincerely.
MIRZA GULAM AHMAD
Chief of Qadian,
Gurdaspur District, Punjab
India.

یہ اس خط کی نقل ہے جو بجواب چٹھی مندرجہ بالا بھیجا گیا:

صاحب من!

آپ کی چٹھی جو دل کو خوش اور مطمئن کرنے والی تھی مجھ کو ملی جس کے پڑھنے سے نہ صرف زیادت محبت بلکہ میری وہ مراد بھی جس کے لئے میں اپنی زندگی کو وقف سمجھتا ہوں (یعنی یہ کہ میں حق کی تبلیغ انہیں مشرقی ممالک میں محدود نہ رکھوں بلکہ جہاں تک میری طاقت ہے امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں بھی جنہوں نے اسلامی اصول کے سمجھنے کے لئے اب تک پوری توجہ نہیں کی اس پاک اور بے عیب ہدایت کو پھیلاؤں) کسی قدر حاصل ہوتی نظر آتی ہے سو میں شکر گزاری سے آپ کی درخواست کو قبول کرتا ہوں اور مجھے اپنے خداوند قادر مطلق پر جو میرے ساتھ ہے قوی امید ہے کہ وہ آپ کی پوری پوری تسلی کرنے کے لئے مجھے مدد دے گا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ پانچ ماہ کے عرصہ تک ایک ایسا رسالہ جو قرآنی تعلیموں اور اصولوں کا آئینہ ہو تالیف کرکے اور پھر عمدہ ترجمہ انگریزی کرا کر اور نیز چھپوا کر آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا جس پر قوی امید ہے کہ آپ جیسے منصف اور زیرک اور پاک خیال کو اتفاق رائے کے لئے مجبور کرے گا اور انشراح صدر اور قوت یقین اور ترقی معرفت کا موجب ہو تا مگر شاید کم فرصتی سے یہ موجب پیش آجاوے کہ میں ایک ہی دفعہ ایسا رسالہ ارسال نہ کرسکوں تو پھر اس صورت میں دو یا تین دفعہ کرکے بھیجا جائے گا اور پھر اسی رسالہ پر موقوف نہیں بلکہ آپ کی رغبت پانے سے جیسا کہ میں امید رکھتا ہوں اس خدمت کو تا بحیات اپنے ذمہ لے سکتا ہوں آپ کے محبانہ کلمات مجھے یہ

بشارت دیتے ہیں کہ میں جلد تر خوشخبری سنوں کہ آپ کی سعادت فطرتی سے حقانی ہدایت لینے کے لئے نہ صرف آپ کو بلکہ امریکہ کے بہت سے نیک دل لوگوں کو دعوت حق کی طرف کھینچ لیا ہے۔ اب میں زیادہ آپ کو تصدیع دینا نہیں چاہتا اور اپنے اخلاص نامہ کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ العالمین جانبین کو آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھ کر ان ہماری مرادوں کو انجام تک پہنچاوے کہ سب طاقت اور قوت اسی کو ہے۔ آمین۔

آپ کا دلی محب اور خیر خواہ

غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب

4/ اپریل 1887ء

(شحنۂ حق، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 439 تا 444)

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمانے پر مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ویب صاحب سے خط و کتابت کی جن میں سے دو خط بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں:

”میرے پیارے بھائی۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ 13 جنوری 1902ء مجھے یہاں 18 فروری 1902ء کو ملا۔ جس میں مسٹر براؤن کا ایک خط ہے۔

مسٹر براؤن کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی پاکیزگی نے اس کے سوچنے والے دِل پر اثر کیا ہے۔ آپ اس کو اسلام کے اصول سکھاتے رہیں۔ اور اُمید ہے کہ وہ کسی دن سچّا پُرجوش مسلمان ہو جائے گا۔ بے شک ملک امریکہ میں اسلام پھیلانے کے لئے آپ کی راہ میں بہت مشکلات ہیں۔ لیکن آپ یقین رکھیں کہ اگر آپ کی سعی خالصتاً لِلّٰہ ہے۔ تو ایک دن آپ کو کامیابی ہو کر رہے گی۔ تاہم آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اسلام کے متعلق بعض غلط عقائد جو عام مسلمان لوگوں میں آج کل شائع ہو رہے ہیں۔ ان کی اشاعت آپ ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ ان عقائد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں پر ناراض ہے اور اِسی لئے اس نے اپنا مُرسل حضرت مرزا غلام احمدؑ بھیجا ہے تاکہ ایسے عقائِد کی اصلاح کرے۔ اب خدا تعالیٰ اسے برکت دے گا۔ اور ان لوگوں کو بھی برکت دے گا۔ جو اس کے پاک اور سچّے اصولوں کی پیروی کریں گے۔ دوسروں سے اس نے اپنا منہ پھیر لیا ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی دُعائیں نہ سُنے گا جو اُس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ پس آپ لوگوں کو ان پاک اصولوں کے مطابق تعلیم دیں جو کہ آپ ان رسائل اور کتب سے اخذ کر سکتے ہیں جو کہ میں آپ کو وقتاً فوقتاً بھیجتا ہوں۔ تب آپ کو اللہ تعالیٰ کامیاب کرے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی مرضی اِسی طرح ہے اور اُسی کی مرضی بہر کیف پُوری ہو گی۔ اگر آپ اس کام کو اختیار کریں گے تو مقدس انسان حضرت مرزا غلام احمد کی

دعائیں آپ کے شامل حال ہوں گی۔

عیسائیوں نے جو غلط فہمیاں اِسلام کے متعلق ان ممالک میں شائع کر رکھی ہیں۔ ان کا دفعیہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ سچّے اور پاک اصول اِسلام پر کتابیں اور رسالے لکھ کر ان ممالک میں شائع کئے جائیں۔ جیسا کہ آپ کا خیال ہے۔ بہتر طریق یہی ہے کہ ایک اخبار امریکہ میں جاری رہنا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس ملک کے مسلمان اپنی بات پر سچّے نہ نکلے اور انہوں نے اپنے وعدے کو پورا نہ کیا اور آپ کو مجبوراً اپنا اخبار بند کرنا پڑا۔ لیکن میرے پیارے دوست یہی تمہاری ٹھیک جزا تھی۔ آپ نے برگزیدہ خدا کے متعلق ان لوگوں کی جھوٹی باتوں پر یقین کر لیا۔ اور ان کے قابل شرم جھوٹ پر اعتبار کرنے سے آپ نے ہند میں آکر اس شخص کی ملاقات سے اعراض کیا۔ حالانکہ صرف وہی ایک شخص قابلِ زیارت سارے ہند میں، نہیں بلکہ ساری دنیا میں تھا۔ پس خدا نے آپ کو یہ سبق سِکھایا۔ خدا نے آپ کو جتلا دیا کہ ایسے لوگوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہئیے۔ شاید میرے الفاظ آپ کو ناگوار ہوں۔ مگر اَلْحَقُّ مُرٌّ[1] صحیح ہے میں مثال دے کر آپ کو سمجھاتا ہوں۔

فرض کرو ایک شخص امریکہ کو جاتا ہے۔ اس کا یہ سفر صرف مذہب کی خاطر ہے۔ وہ اس پاک نیت سے سیر کرتا ہے کہ بزرگ مسلمانوں سے ملاقات کرے اور اپنے ملک میں اِسلام پھیلانے کے لئے ان سے مدد لے۔ وہ سارے امریکہ میں پھرتا ہے مگر وہ محمد ویب کو ملنا نہیں پسند کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ محمد ویب کو اس کے ہموطن اچھّا نہیں سمجھتے۔ اس کے ہم مذہب اس کے حق میں اچھا کلمہ نہیں بولتے۔ وہ تمہارے شہر کے پاس سے گذرتا ہے۔ لیکن یہ شہر اس کے لئے کسی دلچسپی کا موجب نہیں ہے آپ ایسے شخص کے حق میں کیا کہتے ہیں۔ کیا اس نے برّاعظم امریکہ کے اکلوتے مسلمان کی ملاقات کا موقعہ ضائع نہیں کر دیا۔ مگر یہ مثال ابھی نامکمل ہے۔ کیونکہ آپ ابھی اسلام کی دہلیز پر ہیں۔ حالانکہ مرزا صاحبؑ کو خدا تعالیٰ نے رُوحانی دنیا کا حاکم بنایا ہے۔ رُوحانی برکات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اِس بندے کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت پر بٹھایا ہے۔

لیکن میرے پیارے دوست اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ توبہ کرنے والوں کی طرف توجّہ کرتا ہے۔ استقامت کے ساتھ استغفار کریں۔ تو اس کے بے حد رحم جوش میں آوے گا۔ اُس کے رحم کے ذریعہ سے تمام مشکلات دُور ہو سکتے ہیں۔ اُس کو سب طاقتیں ہیں۔ کوئی پتّہ اُس کی اجازت کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ اگر وہ چاہے، تو امریکہ میں کئی اخبار جاری ہو سکتے ہیں۔ آپ اِسلام کے پھیلانے کے لئے انتھک کوشش کریں۔ تب مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سب خواہشوں کو پُورا کر دے گا۔ جب حضرت مرزا صاحبؑ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ تب ان کے مُرید بہت تھوڑے تھے اور دشمن ہزاروں۔ تمام موٹے مولویوں نے انہیں کافر اور غیر مسلم کا فتویٰ دیا۔ لیکن خدا ہمیشہ ان کے ساتھ ہے۔ اب ان کے

[1]۔ ترجمہ: سچ کڑوا ہوتا ہے

مُریدوں کی تعداد پچاس ہزار کے قریب ہے۔ دو مطبع قادیان کے گاؤں میں چل رہے ہیں۔ ایک اُردو اخبار بنام الحکم ہفتہ وار نکلتا ہے۔ انگریزی میگزین بھی نِکلنا شروع ہوا ہے۔ جس کا پہلا نمبر آپ کو آگے روانہ کیا گیا تھا اور دوسرا نمبر اب روانہ کیا جاتا ہے۔ آپ اس کو غور سے مطالعہ کریں۔ اور اپنے دوستوں کے درمیان اس کی اشاعت کریں۔ اس کا پڑھنا آپ کے لئے بہت سے مسائل پر روشنی ڈالے گا۔ ایک بڑے فاضل مولوی صاحب یہاں ہر روز درس قرآن دیتے ہیں۔ کوئی سو طالب علم ہر روز ان کے لیکچر میں حاضر ہوتا ہے۔ دو سال سے ایک ہائی سکول جاری ہے۔ جس میں دینی اور دنیوی تعلیم دی جاتی ہے۔ پس آپ دیکھ لیں کہ جس کو خدا رکھنا چاہے، اس کو کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔

آپ نے عربی زبان کے سیکھنے میں کہاں تک ترقی کر لی ہے۔ عربی کا سیکھنا ایک مسلمان کے لئے لابد ہے۔ اپنے دوستوں کو ہمیشہ عربی پڑھنے کے لئے ہدایت کیا کریں۔ اس سے ان کو بہت فائدہ ہو گا۔

مِسٹر ڈوئی کے متعلق آپ کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ وہ روپیہ جمع کرنے کے واسطے یہ سب کچھ کرتا ہے۔ میں نے آپ کا ذکر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عرض کیا تھا اور آپ کا السلام علیکم پہنچایا تھا۔ وہ آپ کی خبر سن کر خوش ہیں اور آپ کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ اور آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپ دین اسلام پر پکّے رہیں۔ اور میگزین کو غور سے پڑھیں، اور دوستوں کے درمیان اس کی اشاعت کریں۔ ہمارے سب دوست آپ کے خطوط سُن کر بہت خوش ہوتے ہیں اور آپ کی ترقی اسلام میں کامیابی کے خواہشمند ہیں۔

آپ مولوی حسن علی صاحب کو جانتے ہیں۔ ہندوستان کے سفر میں وہ آپ کے سَاتھی تھے اُنہوں نے بھی آپ کو اس بات کی ترغیب دی تھی کہ آپ حضرت مرزا صاحبؑ کی ملاقات نہ کریں۔ لیکن آپ کے امریکہ چلے جانے کے جلد بعد وہ قادیان آئے اور حضرت کے مُریدوں میں شامل ہوئے۔ انہوں نے اپنی اس غلطی کا اقرار کیا اور توبہ کی اَور ایک کتاب تصنیف کی جس میں انہوں نے مفصّل لکھا کہ ویب صاحب کو مرزا صاحبؑ کی ملاقات سے روکنے میں بڑا زور مَیں نے ہی دیا تھا۔ جس کی وجہ سے میں بہت پشیمان ہوں۔ ان کی کتاب شائع ہو چکی ہے۔ جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اسلام کا سچا فرقہ وہی ایک ہے۔ جس کے بانی حضرت مرزا صاحبؑ ہیں۔ وہ بیچارے فوت ہو گئے ہیں۔ آپ نے ان کی وفات کی خبر سُن لی ہو گی۔

اب میں ایک نہایت ہی ضروری امر کی طرف آپ کو متوجّہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پیارے بھائی آپ کو اس امر کا تجربہ ہو چکا ہے کہ ہند کے مسلمان اور اُن کے مَولوی حضرت مرزا صاحبؑ کے عقائد کے ساتھ کیسی مخالفت رکھتے ہیں۔ اگر یہ خیالات ایران یا روم کے مسلمانوں کے آگے ظاہر کئے جائیں۔ تو ایک دفعہ تو وہ بھی ضرور ان کی مخالفت کریں گے۔ اگرچہ ہمیں امید ہے اور یقین ہے کہ انجام میں کامیابی ہمارے لئے ہو گی۔ تاہم ممکن ہے کہ ابتداء مشکلات سے تاریک نظر آوے پس آپ

معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہاتھ ملا کر آپ فی الحال کوئی خوشی کا منہ بظاہر نہیں دیکھ سکتے۔ اگر آپ حضرت مرسل من اللہ کے عقائد کی اشاعت اپنے ذمّہ لیں تو ضرور ہوگا کہ آپ ایشیاء اور یورپ کے برائے نام مسلمانوں کی نفرت و کینہ کا نشانہ بننے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ کیونکہ وہ سب ہمیں مجنون کہتے ہیں۔ اور یہی نام آپ کا بھی رکھا جاوے گا۔ پس آپ تازہ مشکلات اور تکالیف اِس راہ میں دیکھیں گے۔ اگر آپ اللہ کے رسول مرزا صاحبؑ کے دعاوی کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اپنے تئیں ایسے اعتقاد کی اشاعت کی جرأت رکھتے ہیں، تو آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے گا۔ تب آپ کی عاقبت درست ہو جائے گی اور دنیا میں اِس سے بڑھ کوئی امر قابل رشک نہیں کہ کسی کی عاقبت درست ہو جائے۔ اِس پر خوب غور کریں۔ اور احتیاط سے قدم آگے بڑھائیں۔ نبیوں کی پیروی اُن کی زندگی کے ایّام میں جبکہ لوگ سُنّت اللہ کے مطابق ان کی مخالفت میں تلے ہوئے ہوں۔ ایک بڑی قربانی چاہتی ہے۔ اِن باتوں پر غور کر کے مجھے اِطلاع دیں۔

آپ کا سچا خیر خواہ مفتی محمدؓ صادق

محمدؐ ویب کا خط بنام مفتی محمدؓ صادق

از مقام رور فورڈ ملک امریکہ مورخہ 9/مارچ 1902ء"

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ 307 تا 310)

اس خط کے جواب میں رسل ویب صاحب نے جو خط لکھا وہ مندرجہ ذیل ہے:

"مائی ڈیئر برادر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:

آپ کا عنایت نامہ مورخہ 22 فروری 1902ء مجھے ابھی ملا ہے اور اسے پڑھ کر مجھے بہت فرحت حاصل ہوئی ہے۔ مجھے اِس بات کا سننا تسکین بخش ہوا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ میری ان کوششوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ جو کہ مَیں اسلام کی شاندار صداقتوں کو یہاں پھیلانے میں کر رہا ہوں۔ چونکہ میرا کام مشکل اور بعض دفعہ نا امید کرنے والا ہے۔ اس واسطے یہ خبر پا کر مجھے فرحت حاصل ہوئی کہ حضرت مرزا صاحبؑ اور آپ میرے واسطے دُعاء مانگتے ہیں۔ جب مَیں ہندوستان گیا۔ تو مجھے یقین تھا کہ ہمارے مسلمان بھائی میری حتی الوسع مدد کریں گے۔ میرے خیال میں یہ بات نہ آسکتی تھی کہ مسلمان کہلا کر کوئی شخص میری مخالفت کرے گا۔ اور میری کوششوں میں روک ڈالے گا۔ میں نے ان کو صاف کہہ دیا تھا کہ بہت سے عیسائی میری مخالفت کریں گے۔ اور مجھے ناکام کرنے کے لئے الزام لگائیں گے۔ اور ہر قسم کی مخالفت کریں گے۔ مَیں نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ ان عیسائیوں کی باتوں کو نہ سُننا۔ اور یہ سوچنا کہ اُن کا مُدعا کیا ہے۔ لیکن جونہی یہاں کے

عیسائیوں کی مخالفت کی خبر ہند میں پہنچی۔ وہاں کے بے ایمان مُسلمان میرے مخالف ہو گئے اور ہر طرح مجھے تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔ میرے ساتھ جو وعدے اُنہوں نے کئے تھے۔ اُن سب کو بھلا دیا۔ اور اپنے اقراروں کو توڑنے کے لئے صرف بہانے کے طلب گار ہوئے۔ لیکن اب مُجھے سمجھ آئی کہ اُن لوگوں نے ایسا کیوں کیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اُن کا مذہبی علم صرف سطحی ہے۔ سچّائی کی روشنی اُن میں نہیں پائی جاتی۔ اور مقدس نبی صلعم کی وفاداری اُن کے دلوں میں نہیں ہے۔ خدائے مطلق جانتا تھا کہ میرے لئے کس امر میں بہتری ہے۔ اور اُس نے وہی کیا جو میرے لئے بہتر تھا۔ غالباً میرے لئے یہ امر مفید نہ تھا کہ وہ لوگ میرے ساتھ وفاداری کا تعلق قائم رکھتے۔ تو باوجود میری کوششوں کے یہاں بھی اسلام کی ایک ایسی ہی بگڑی ہوئی شکل قائم ہو جاتی جیسی کہ ان لوگوں میں ہے۔ مجھے ابھی ایک نو مسلِم کا خط ملا ہے جس کی بابت میں خیال کرتا ہوں۔ کہ وہ اسلام کے کارآمد ہو گا۔ اس کا نام جیمز ایل راجرز ہے۔ وہ مدّت تک پادری کا کام کرتا رہا ہے۔ لیکن اُسے عیسائیت پر شک آنے لگے۔ اور پھر اس مذہب کو چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ اس نے میری ایک تقریر پڑھی تھی جس سے اس کا شوق اور بھی بڑھا۔ بعض اسلامی کتابیں اس نے پڑھیں اور سچّائی کا نُور اُس کے دل میں بیٹھ گیا۔ اب اُس نے اپنے آپ کو مسلمان مشہور کر دیا ہے۔ اور وہ زیادہ علم حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ اس کے پہلے دوست اس کے مخالف ہو جائیں گے۔ لیکن اُسے اس بات کی کچھ پروا نہیں وہ بڑا سرگرم معلوم ہوتا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے لئے بہت کام کرے گا۔ مجھے یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اُسے خط لکھیں اور کچھ کتابیں بھیج کر اسے فائدہ پہنچائیں اور میگزین کے پرچے جو آپ نے مجھے ارسال کئے تھے۔ وہ سب میں تقسیم کر چکا ہوں۔ اور میرے پاس سوائے اپنی کتابوں کے اور کچھ نہیں کہ میں بھیجوں۔ وہ اس ملک میں مجھ سے بہت دور رہتا ہے۔ دو دفعہ میں اُسے خط لکھ چکا ہوں۔ اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا۔ میں اس کی مدد کروں گا۔

مِسٹر برون بھی ایک مسلمان ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر آپ اس کو بھی خط لکھیں۔ تو آپ کے خطوط نتیجہ آور ہوں گے۔ اس ملک کے مسلمانوں کو اس بات میں بڑی خوشی ہوتی ہے۔ کہ ہند کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ خط و کتابت کریں کیونکہ اس سے دو ملکوں کے بھائیوں کے درمیان برادری کا تعلق پختہ ہوتا ہے۔ میں نے پہلے بھی کوشش کی تھی۔ ہند کے مسلمان اس امر کی طرف توجہ کریں۔ مگر انہوں نے کچھ پروانہ کی۔ امریکہ کے لوگ قدرتاً بجائے عرب و روم کے اِسلام کا منبع ہندوستان کو سمجھتے ہیں۔ اہل امریکہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام عرب میں پیدا ہوا تھا۔ مگر اسلام کی تعلیم کے لئے ان کی نظریں ہندوستان کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی بات ہے کہ دوسرے مشرقی ممالک کی نسبت ہندوستان میں انگریزی خواں مسلمان زیادہ ہیں۔ اس واسطے انہیں یہ بات خوش پہنچاتی ہے کہ کسی ہندوستانی بھائی کے ساتھ

خط و کتابت کا سلسلہ قائم رکھیں۔ اگر آپ پسند کریں۔ تو بعض اہل امریکہ کے پتے آپ کو لکھ بھیجوں گا۔

مجھے اپنا پیارا بھائی حسن علی خوب یاد ہے۔ اور وہ وقت مجھے یاد ہے جو کہ میں نے اس کی پسندیدہ صحبت میں گذارا۔ اس نے اپنی سمجھ کے مطابق نیکی کی سعی کی۔ لیکن میری طرح اس نے بھی غلطی کھائی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ مرنے سے پہلے حضرت مرزا صاحبؑ کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا۔ جب میں ہند میں تھا تو اس نے میری مدد کی۔ اور مَیں پچھتاتا ہوں کہ وہ اور میں دونوں مل کر اُسی وقت قادیان کیوں نہ گئے۔

خدا نے مجھ پر اور میرے کنبے پر بڑی مہربانی کی اور مَیں اس کا شکر گذار ہوں کہ اُس نے مجھے اسلام کی سچی روشنی عطا فرمائی۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ جلد جلد مجھے خط لکھا کریں گے۔ اور خوشی سے ہر طرح آپ کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں۔

حضرت مرزا صاحبؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ میرا اسلام عرض کریں اور ان سے اِلتجاء کریں کہ میری کامیابی کے لئے دُعا فرماویں۔

مَیں آپ کے لئے سلامتی اور امن کی دُعاء کرتا ہوں۔

آپ کا بھائی محمدؐ ایلکس ویب''

(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ 310 تا 312)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر مسٹر ویب صاحب کا تعزیتی مکتوب:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر الیگزنڈر رسل ویب نے حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ کو تعزیت کا خط لکھا جو حیات احمد جلد دوم حصہ سوم میں شائع شدہ ہے۔ وہاں سے من و عن درج ذیل کیا جاتا ہے۔

''خط آمدہ از ویب صاحب

از نمبر 149 رچنٹ نٹ سٹریٹ رور فورڈ۔ نیوجرسی۔ یو۔ ایس۔ اے

بخدمت مفتی محمد صادق صاحب۔ قادیان 30/ اگست 1908ء

میرے پیارے بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط مورخہ 10 جولائی مجھے بروقت مل گیا۔ ریویو آف ریلیجنز میں ہمارے معزز بھائی حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی وفات کی خبر پڑھ چکا ہوں اس خبر کے پڑھنے سے سخت غم اور رنج کا احساس میرے

اندر جوش زن ہوا۔ مرزا صاحب نے ایک بڑا کام پورا کیا اور سینکڑوں کے دلوں میں نور صداقت پھیلایا۔ جن تک غالباً صداقت کسی اور طرح نہ پہنچ سکتی تھی۔ بیس سال سے زائد عرصہ گزرتا ہے جبکہ میری پہلے پہل آپ سے خط و کتابت ہوئی اور تب ہی سے میرے دل میں اس امر کا پُرزور اثر ہے کہ مرزا صاحب بے خوف سنجیدگی کے ساتھ حق کی تعلیم پھیلانے کے واسطے اپنے مقصد میں لگے رہے ہیں۔ لاریب اس شخص کو خدا تعالیٰ نے اس بڑے کام کے واسطے برگزیدہ کیا تھا جو اس نے پورا کیا ہے اور مجھے اس میں شک نہیں کہ وہ فردوس بریں کے اندر اولیاء اور انبیاء کی رفاقت کا لطف اٹھائے گا۔

پس اگرچہ ہمارے درمیان سے آپ کا چلا جانا ہمارے واسطے بڑے غم کا موجب ہے تاہم ہم اس بات پر خوش ہیں کہ آپ کی جسمانی محنت کے ایّام ختم ہوئے اور آپ اس سے اعلیٰ اور پاک ترین زندگی میں داخل ہو گئے۔ آپ کی سلامتی اور راحت کے واسطے دعا کرتا ہوں،

آپ کا بھائی محمد الیگزینڈر رسل ویب۔

اس کے بعد شیخ محمد ویب صاحب کا دوسرا خط 3 ستمبر کا لکھا ہوا ہمیں 2 نومبر کو ملا ہے۔ جس میں شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ امریکہ میں اس سال ایک مذہبی کانفرنس ہوئی تھی۔ جس میں شیخ صاحب موصوف نے اسلام کی طرف سے لیکچر دیا تھا۔ اس میں پھر شیخ صاحب موصوف نے حضرت اقدس کی وفات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایسے عظیم الشان اور نیک انسان کی وفات غمگین کرنے والی ہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنا کام ختم کر چکے تھے۔ قادرِ مطلق کی مرضی یہی تھی کہ ان کی دنیوی زندگی ختم ہو۔ انہوں نے ایک عظیم الشان کام کیا ہے اور اس واسطے ان کا اجر بھی عظیم الشان ہو گا۔ آپ براہِ مہربانی حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں میرا بادب سلام پہنچائیں اور عرض کر دیں کہ میں یقین کے ساتھ امید اور بھروسہ رکھتا ہوں کہ سچے اسلام کی ترقی کے واسطے جو کوششیں آپ کر رہے ہیں ان میں آپ کو ضرور کامیابی کا تاج پہنایا جائے گا۔" (حیات احمد جلد 2 صفحہ 523،522)

حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ بھاگلپوری:

ولادت 22 اکتوبر 1852ء کی ہے اور وفات 1896ء میں ہوئی۔ 313 اصحاب کبار میں آپ کا نام 91 نمبر پر درج ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق ایک دفعہ فرمایا:

"مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری گریجوایٹ نہ تھے مگر انگریزی کی ان میں اتنی قابلیت تھی کہ ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے اور ان کی تقریر سنتے تھے وہ اسی طرح بغیر کسی معاوضہ کی دین کی خدمت کے لئے پھرتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے بطور شاہد کے تھے۔"

(الفضل جلد 10 نمبر 1 مورخہ 3 جولائی 1922ء صفحہ 7 کالم نمبر 1)

نیز فرمایا:

”انہوں نے ایک کتاب ”تائید حق“ بھی لکھی ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو میں اس وقت تک سویا نہیں جب تک کہ میں نے اس ساری کتاب کو ختم نہ کر لیا۔ مولوی صاحب شروع شروع میں ایمان لائے پھر احمدیت کی تبلیغ کے لئے ملک کے مختلف علاقوں میں پھرتے رہے۔“

(الفضل جلد47/12نمبر10 مورخہ 11، جنوری1958ء صفحہ 3 کالم4)

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب (The Preaching of Islam)(اشاعت اسلام صفحہ 283) میں اخبار ”مسلم کرانیکل“(4/اپریل1896ء) کے حوالہ سے ان کی مختصر سوانح بھی درج کی ہے اور ان کی شاندار تبلیغی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 313 نمبر 8)

ہستی باری تعالیٰ کے دلائل

فطرت انسانی

(ابو صریر)

انسان کی فطرت میں ایک ایسی گہری آواز پیوست ہے جو اسے مسلسل یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ کوئی ایسی برتر ہستی ضرور موجود ہے جو اس کی سنتی ہے، اسے دیکھتی ہے، اور اس پر قابو رکھتی ہے۔ یہ شعور صرف کسی مذہب کے ماننے والوں تک محدود نہیں، بلکہ دہریہ سے دہریہ انسان بھی زندگی کے کسی نہ کسی نازک لمحے میں غیر ارادی طور پر کسی ماورائی طاقت کو پکارتا ہے۔ کسی کو حادثہ پیش آئے، اچانک موت کا سامنا ہو، یا شدید تکلیف ہو تو وہ بے اختیار کہتا ہے "Oh God!"، "Jesus" یا "رام، رام!"، یا پھر "یا اللہ!"

گارڈئین کے ایک مضمون میں بھی اسی بات پر مبنی ایک سروے پیش کیا گیا ہے۔ اس میں سے ایک مثال یہ ہے:

Henry, 64, said he prays every night, kneeling by his bed, despite not being religious.[1]

یعنی 64 سالہ ہینری کا کہنا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ ہر رات اپنے بستر کے ساتھ دوزانو ہو کر دعا کرتے ہیں۔

یہ چیخ محض زبان کی عادت نہیں، بلکہ انسانی دل میں موجود ایک فطری صدا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان میں ایک ایسی جبلّت رکھ دی گئی ہے جو اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ کسی معبود، کسی محافظ، کسی اعلیٰ قوت کی طرف رجوع

[1] https://www.theguardian.com/world/2018/jan/14/half-of-non-believers-pray-says-poll?utm_source=chatgpt.com

کرے۔ اگر خدا کا تصور محض ایک سیکھا ہوا کلچر یا سماجی اثر ہوتا، تو یہ پکار صرف مذہبی لوگوں تک محدود ہوتی، لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ پکار ہر دل کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی ہے، اور کسی بھی کٹھن لمحے میں خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔

اسی طرح انسان کی فطرت میں نیکی اور بدی کی پہچان بھی ودیعت کی گئی ہے۔ ایک بچہ جس نے کوئی اخلاقی تعلیم نہیں لی، وہ بھی جانتا ہے کہ جھوٹ بولنا غلط ہے، چوری کرنا برا ہے، اور سچائی یا ہمدردی اچھی صفات ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ اخلاقی کوڈ (moral software) کہاں سے آیا؟ کیا یہ محض سوشل تربیت کا نتیجہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ہر قوم کی اخلاقیات بالکل مختلف ہوتیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سچائی، عدل، وفاداری، رحم، اور انصاف جیسے اصول تقریباً ہر تہذیب میں قابلِ تحسین سمجھے جاتے ہیں۔

پس، جب انسان کی فطرت میں نیکی اور بدی کی پہچان رکھی گئی ہے، اور اس کے دل میں خدا کی پکار خود بخود گونجتی ہے، تو لازم ہے کہ یہ اخلاقی کوڈ کسی عظیم انجینیئر نے بنایا ہو۔ جیسے ہر کوڈ کے پیچھے ایک کوڈر (coder) ہوتا ہے، ویسے ہی انسانی فطرت کے اس اندرونی نظام کے پیچھے بھی ایک خالق کی ہستی موجود ہے۔

جتنا زیادہ انسان اپنی فطرت پر غور کرتا ہے اپنے ضمیر کی آواز، اپنے احساسِ گناہ، اور اپنی دعا کی جبلّت پر — اتنا ہی زیادہ وہ ایک قادر، جاننے والے، اور سننے والے خدا پر یقین میں پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ فطرت خود خدا کے وجود کی سب سے گہری اور خاموش گواہی ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۔(الروم:30)

اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

یہ آیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ توحید کوئی خارج سے سکھائی ہوئی بات نہیں بلکہ انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص "مزاج" یا "روحانی ڈھانچے" پر پیدا کیا ہے، جو نیکی کو پسند کرتا ہے، سچائی کی طرف جھکتا ہے، اور بدی کو فطری طور پر برا سمجھتا ہے۔ اور اپنے خالق حقیقی کی محبت کی تلاش میں رہتا ہے۔

اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل في أولاد المشرکین)

یہ حدیث اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے کہ فطری دین توحید ہی ہے، اور تمام بیرونی اعتقادات در حقیقت عارضی

وبعد از ولادت اثرات ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”فطرتی محبت اُس محبت کا نام ہے جو فطرت کے ساتھ ہمیشہ سے لگی ہوئی ہو اور پیچھے سے لاحق نہ ہو جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ اس کا یہ قول ہے اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ؕ قَالُوۡا بَلٰى۔(الاعراف:173) یعنی میں نے روحوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا پیدا کنندہ نہیں ہوں تو روحوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسانی روح کی فطرت میں یہ شہادت موجود ہے کہ اس کا خدا پیدا کنندہ ہے پس روح کو اپنے پیدا کنندہ سے طبعاً و فطرتاً محبت ہے اس لئے کہ وہ اس کی پیدائش ہے اور اسی کی طرف اس دوسری آیت میں اشارہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا۔(الروم:30)، یعنی روح کا خدائے واحد لاشریک کا طلب گار ہونا اور بغیر خدا کے وصال کے کسی چیز سے سچی خوشحالی نہ پانا یہ انسانی فطرت میں داخل ہے یعنی خدا نے اس خواہش کو انسانی روح میں پیدا کر رکھا ہے جو انسانی روح کسی چیز سے تسلی اور سکینت بجز وصال الٰہی کے نہیں پا سکتی۔ پس اگر انسانی روح میں یہ خواہش موجود ہے تو ضرور ماننا پڑتا ہے کہ روح خدا کی پیدا کردہ ہے جس نے اس میں یہ خواہش ڈال دی مگر یہ خواہش تو درحقیقت انسانی روح میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسانی روح درحقیقت خدا کی پیدا کردہ ہے۔“

(چشمہ مسیحی روحانی خزائن جلد20 صفحہ 364،365)

خواہ کوئی بھی انسان ہو خواہ وہ خدا کو ماننے والا ہو یا دہریہ، مومن ہو یا منکر، اس کے اندر ایک ایسی فطری آواز ضرور پائی جاتی ہے جو کسی نہ کسی لمحے خالقِ حقیقی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ انسان کا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ خود بخود وجود میں نہیں آ گیا بلکہ کسی عظیم ہستی کی تخلیق ہے۔ یہ ایک ایسا احساس ہے جو نہ کسی تعلیم کا مرہونِ منت ہے اور نہ ہی محض ماحول کا نتیجہ، بلکہ یہ انسانی فطرت کا ایک بنیادی جوہر ہے۔ بہت سے لوگ وقتی طور پر اس آواز کو دبا دیتے ہیں، اور انکار کی چادر اوڑھ لیتے ہیں، مگر جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے زندگی کے کچھ لمحات، خاص طور پر شدید خوف، دکھ یا خطرے کے وقت ایسے آتے ہیں جب یہ دبی ہوئی فطرت اچانک بیدار ہو کر خدا کو پکارنے لگتی ہے۔

اسی بارے میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

”ایک طالب علم جو روزانہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق بحث مباحثہ بلکہ مخول کیا کرتا تھا جس وقت اُس نے محسوس کیا کہ اب چھت گر کے ہی رہے گی اور یقین ہو گیا کہ اب کوئی طاقت بچا نہیں اس کے منہ سے رام رام نکلنے لگا۔ اگلے دن اس کے دوستوں نے جب پوچھا کہ تمہیں اُس وقت کیا ہو گیا تھا...نے کہا معلوم نہیں اُس وقت کچھ

عقل ہی ماری گئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت اُس نے عقل سے کام لیا جب بچانے والے دنیوی اسباب اس کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے تو اُس ذاتِ خداوندی کے سوا کوئی مدد گار سوجھائی نہ دیا۔"

(خطبات محمود جلد12 صفحہ 123،122)

فطرت میں موجود اخلاقی شعور:

اسی طرح انسان کا ضمیر بھی ایک بالا ہستی کی موجوگی پر شاہد ہے۔ دنیا میں ہر جگہ نیکی کی تحسین اور بدی کی مذمت پائی جاتی ہے۔ ہر انسان چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو یا دہریہ ہو، جب کوئی بد عملی کرتا ہے تو اس کے اندر ایک انجانسی بے چینی، ایک خفیہ ملال اور دل کی خلش پیدا ہوتی ہے۔ اس کا دل خود اس پر گواہی دیتا ہے کہ اس نے کچھ غلط کیا ہے۔ یہ کیفیت اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ انسان کے اندر کوئی ایسی پہچان اس کے DNA میں ثبت کر دی گئی ہے جو صحیح اور غلط کو پہچانتی ہے جسے قرآن نے "نفسِ لوّامہ" کہا، خدا تعالیٰ کے وجود پر ایک ایسی روشن دلیل ہے جو نہ صرف عقلی سطح پر قائم ہے بلکہ انسانی تجربے میں راسخ ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ۔(القیامہ:3)

اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔

فطرت کی یہ خاصیت اتنی حیرت انگیز ہے کہ بڑے بڑے فلاسفر اس سے ورطہ حیرت میں ہیں۔ چنانچہ Immanuel Kant فطرت میں موجود اخلاقی شعور کے متعلق کہتا ہے۔

TWO things fill the mind with ever new and increasing admiration and awe, the oftener and more steadily they are reflected on: the starry heavens above me and the moral law within me.[1]

مفہوماً ترجمہ: دو چیزیں میرے دل کو حیرت سے بھر دیتی ہے۔ میرے اوپر کے ستاروں سے بھرے آسمان، اور میرے اندر کا اخلاقی قانون۔

اب سوال ہے کہ یہ پہچان اسے کس نے سکھائی ہے؟ کس نے اس کو بناتے ہوئے اس کے DNA پر یہ کوڈ لکھا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1]Critique of Practical Reason Translated by Beck. Edition 1949Pg.258

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوٰهَا ۔(الشمس:9)

پس(اللہ نے)انسان کے نفس کو اس کی بدی اور نیکی کا شعور دیا۔

یعنی یہ احساس کہ جھوٹ برائی ہے، بدکاری گناہ ہے، خیانت قابلِ نفرت ہے اور ماں بہن کے ساتھ زنا برا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی فطرت میں ودیعت شدہ ہیں۔ اگر یہ احساسات صرف سوسائٹی کی پیداوار ہوتے، تو ہر قوم اور ہر نسل میں ان کا تصور مختلف ہوتا۔ مگر حیرت انگیز طور پر یہ بنیادی اخلاقیات تمام انسانوں میں مشترک ہیں۔ اگر نیکی وبدی کی پہچان خدا کی طرف سے نہیں تو پھر وہ کون سی طاقت ہے جو انسان کو برائی سے روکتی ہے؟ آخر وہ کون سا اندرونی احساس ہے جو انسان کو تنہائی میں بھی جھوٹ بولنے سے روکتا ہے، حالانکہ کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا؟ پس اگر انسان ان افعال پر شرمندہ ہوتا ہے، اگر اس کے اندر کوئی ایسی ذات موجود ہے جو اسے ملامت کرتی ہے تو وہ ذات انسان کی اپنی نہیں، بلکہ اس کے خالق کی طرف سے ہے۔ وہی ذات جسے قرآن "نفسِ لوّامہ" (خود کو ملامت کرنے والا نفس) کہتا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"انسان کی فطرت خود خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرت انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے۔ماں، بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا ہے، پاخانہ پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں کے ساتھ تعلق ہے، جھوٹ ہے، یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے مگر کیوں؟ اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں؟ وہ کیوں ماں اور بہن اور دوسری عورتوں میں کچھ فرق جانتا ہے۔ جھوٹ کو کیوں برا جانتا ہے۔ کیا دلائل ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اس کی نظر میں بدنما قرار دیا ہے۔ اگر کسی بالائی طاقت کا رعب اس کے دل پر نہیں تو وہ کیوں ان سے احتراز کرتا ہے؟ اس کے لئے تو جھوٹ اور سچ، ظلم اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہئے۔ جو دل کی خوشی ہوئی کر لیا۔ وہ کون سی شریعت ہے جو اس کے جذبات پر حکومت کرتی ہے۔ جس نے دل پر ایک تخت رکھا ہے۔ اور گو ایک دہریہ زبان سے اس کی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اس کی بنائی ہوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا اور گناہوں سے اجتناب یا ان کے اظہار سے اجتناب اس کے لئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جوابدہی کا خوف ہے جو اس کے دل پر طاری ہے گو وہ اس کی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔ ۔ ۔ پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی زبردست دلیل ہے۔ اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جاوے جو دل میں آئے لوگ کیا کریں۔"

(دس دلائل ہستی باری تعالیٰ، انوار العلوم جلد1 صفحہ 420تا421)

Clive Stapleslewis(1898-1963)جو مشہور انگریز مصنف گزرے ہیں نے اپنی کتاب Mere

Christianity کے صفحہ 29 اور 30 پر ایک لمبی بحث کے بعد جو نتیجہ نکالا ہے اس کا خلاصہ اس طرح پر ہے کہ اگر کوئی اخلاقی قانون بنانے والا موجود نہیں تو کوئی اخلاقی قانون بھی موجود نہیں ہو سکتا لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایک اخلاقی قانون موجود ہے لھذا ایک اخلاقی قانون بنانے والا بھی ضرور موجود ہے۔

اس دلیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان نہ صرف اپنے اندر ایک خدا کی تلاش اور ایک معبود کی پیاس لے کر پیدا ہوا بلکہ نیکی اور بدی کا شعور بھی اس کے اندر کسی عظیم مقنن اور خالق نے رکھا ہے جس کی وجہ سے دنیا کی بقا آج تک ممکن ہوئی ہے، اور یہ شعور کسی خارجی نظام یا معاشرتی تعلیم کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے خالق کی طرف سے الہام ہے۔ یہ الہام اس بات کی دلیل ہے کہ ایک بالا ہستی، اور جزا و سزا دینے والا خدا موجود ہے۔ اور اس خدا کی معرفت ہر انسان کے اندر جبلّی طور پر پیوست ہے، خواہ وہ اس کا انکار کرے یا نہ کرے۔ یہی وہ فطری دلیل ہے جو ہر زمانہ میں ہر انسان کے دل میں خدا کے وجود کی گواہ بن کر موجود رہی ہے۔

غلبہ رُسل خدا کی ہستی کی ایک عظیم الشان دلیل

دنیا کا نظام ہمیشہ سے دولت، طاقت، اور خاندانی پس منظر کی بنیاد پر چلتا آیا ہے۔ کامیابی اکثر اُنہی لوگوں کا مقدر بنتی ہے جن کے پاس یا تو بے پناہ مال و دولت ہوتا ہے، یا وہ بااثر سیاسی و سماجی روابط رکھتے ہیں، یا چالاکی اور بہت سے علم کے حامل ہوتے ہیں یا پھر کسی طاقتور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ اور موجودہ دور میں ہمیں بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ جب کوئی شخص عوامی رائے کے خلاف سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے، تو اگر وہ مالی یا سیاسی طور پر کمزور ہو، تو اس کی آواز دبا دی جاتی ہے۔

لیکن ان سب حقائق کے برعکس، اللہ تعالیٰ کے تمام نبی ایسے وقت میں اُٹھے جب ان کا پیغام معاشرتی اور مذہبی طور پر لوگوں کے عقائد اور سوچوں کے خلاف تھا۔ ان کے پاس نہ مال تھا، نہ فوج، نہ کوئی سیاسی اثر و رسوخ۔ بعض نبیوں کو تو اپنے خاندان کی بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور حیرت انگیز طور پر، دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں اُن کے خلاف کھڑی ہو گئیں، لیکن خدا تعالیٰ کا نام لے کر اٹھنے والے انبیاء پھر بھی کامیاب ہوئے اور ان کے واقعات اور ان کے قصے دنیا کے ملک

ملک میں، ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی زبان زد عام ہیں۔

یہ سب واقعات ہمیں ایک اہم سوال کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ سوال یہ ہے کہ جب ہر ظاہری وسیلہ اللہ کے رسولوں کے خلاف تھا اور عقلی دلائل کے مطابق کوئی طاقت بھی ان کے حق میں نہ تھی، تو وہ کیسے کامیاب ہو گئے؟ اس کا واحد منطقی جواب یہی ہے کہ اُن کی مدد کے لیے کوئی ایسی ہستی موجود تھی جو ہر طاقت سے بالاتر تھی اور بلاشبہ وہ وہی ہستی تھی جس کا نام لے کر یہ لوگ اٹھتے تھے۔ یعنی "خدا کی ہستی"

اس حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں عقل والوں اور سوچنے والوں کے لئے ایک نشان قرار دیا ہے کہ:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔(المجادلہ:22)

یعنی اللہ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ہی غالب آ کر رہیں گے، یقیناً اللہ طاقتور اور غالب ہے۔

یہ وعدہ محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ ایک زندہ اصول ہے جو ہر دور میں اپنی صداقت کا اظہار کرتا رہا ہے۔ اس مضمون میں ہم حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمد ﷺ اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگیوں کو اس وعدے کا عملی مظہر ثابت کرتے ہیں، تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ خدا اپنے رسولوں کو کبھی رسوا نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیمؑ: دعوتِ توحید اور آگ پر غلبہ:

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اسلام سے قبل اس بزرگ ہستی کی کامیابی کے قصے بائیبل کی مختلف کتب کے علاوہ، مصری حکایات اور میسوپٹامیہ کی تختیوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ پھر اسلام نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو بہت تفصیل اور حقائق کے ساتھ بیان کیا۔ ان کا پیغام بت پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں توحید کا روشن ستارہ تھا۔ انہوں نے اپنے والد آزر اور قوم کو خدائے واحد کی طرف بلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب مخالفت پر اتر آئے، اور یہاں تک کہا:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ ۔(الانبیاء:69)

یعنی اسے جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

لیکن عین اُس لمحے جب ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا، خدائے رحیم نے اپنی قدرت کا جلوہ دکھایا:

قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ۔(الانبیاء:70)

آگ، جو ہمیشہ جلاتی ہے، سلامتی کا ذریعہ بن گئی۔ گویا فطرت کے اصولوں کو بھی الٰہی اذن کے تابع کر دیا گیا۔

پھر صرف ایک موقع پر ہی نہیں بلکہ قوم کی تمام تر مخالفت کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ برکت دی۔ وہی ابراہیم علیہ السلام جن کے ہاں بڑھاپے تک اولاد نہیں تھے اور مخالف اپنے زمانہ میں انہیں بے اولادی کا طعنہ دے کر ہنستے ہوں گے انہیں خدا تعالیٰ نے بڑھاپے کے باوجود ایسی اولاد عطا فرمائی کہ کیا تعداد کے لحاظ سے اور کیا روحانیت کے لحاظ سے، ان کی اولاد آسمان کے ستاروں کو بھی شرمانے لگی۔

حضرت موسیٰؑ: ظلم کے مقابل خدائی نصرت:

حضرت موسیٰؑ کی جدوجہد ظلم، غلامی، جادو، اور فرعونیت کے خلاف تھی۔ بائبل کی مختلف کتب میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور قرآن کریم میں بھی کئی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو یاد دلایا گیا ہے۔ خاص طور پر جب فرعون نے اپنے جادوگروں کو اکٹھا کیا اور انہیں حکم دیا کہ موسیٰؑ کو شکست دو، تب خدائی جواب آیا:

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔(طٰہ:69)

حضرت موسیٰؑ نے عصا زمین پر پھینکا، اور وہ جادوگروں کے تمام شعبدوں کو نگل گیا۔ وہی جادوگر، جو کچھ لمحے قبل فرعون کے خیر خواہ تھے، سجدہ میں گر گئے:

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی۔(طٰہ:71)

یہ دلوں پر غلبہ تھا، جو جسمانی غلبے سے بلند تر ہے۔ پھر سمندر کا واقعہ۔ جب پیچھے فرعون کا لشکر، اور آگے سمندر بنی اسرائیل خوفزدہ، تب وحی ہوئی:

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ۔(الشعراء:64)

سمندر پھٹ گیا، بنی اسرائیل پار ہو گئے، اور فرعون جیسا بادشاہ اپنے لاؤ لشکر سمیت غرق ہو کر رہ گیا۔

حضرت عیسیٰؑ: صلیب اور روحانی بقا:

حضرت عیسیٰؑ کو رومی حکومت اور یہودی علماء دونوں کی مخالفت کا سامنا تھا۔ انہیں سولی پر چڑھانے کی کوشش کی گئی، مگر قرآن اعلان کرتا ہے:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔(النساء:158)

عیسیٰؑ نہ قتل ہوئے، نہ صلیب پر مارے گئے۔ خدا نے انہیں بچا لیا، اور ان کا روحانی مشن حواریوں کے ذریعہ دنیا بھر میں پھیلتا چلا گیا۔ اس واقعہ کے بہت سے دلائل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "مسیح ہندوستان میں" میں بالتفصیل درج ہیں۔ دنیا بھر میں اس واقعہ پر بہت سی تحقیقات ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا رومی

حکومت اور ان کی ساری فوج اور تمام مخالف حالات سے زیادہ طاقتور تھا۔33 عیسوی میں وہ ایک کمزور انسان جسے صلیب پر لٹکا دیا گیا تھا اور اس زمانہ میں دنیا کی آبادی میں (جس کا اندازہ 200 سے 400 ملین) تک لگایا جاتا ہے 500 لوگ بھی ایسے نہ تھے جو مسیح کو مانتے ہوں اس کے خدا نے اس کے حق میں دنیا کو ایسا بدلہ کہ آج 2000 سال گزرنے کے بعد دنیا کی 8 بلین آبادی میں سے سوا4 بلین اس پر ایمان لاتے اور اسے خدا کا نبی مانتے ہیں۔

یہ ایک ایسا عظیم الشان غلبہ تھا جس نے تاریخ کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا گواہ بنا کر کھڑا کر دیا۔

حضرت محمد ﷺ: وعدۂ غلبہ کی کامل تصویر:

رسالتِ محمدیہؐ اس وعدۂ الٰہی کا نقطۂ کمال ہے۔ ایک امی، بے کس، یتیم اور یتیم بھی ایسا یتیم جس کا باپ اس کی پیدائش سے پہلے فوت ہو گیا ہو، والدہ کے ساتھ بھی دو سال ہی گزارے ہوں اور پھر والدہ بھی فوت ہو گئی ہوں، دادا کفالت میں لیں تو ان کا سایہ بھی سر سے اٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ 8 سال کی عمر میں وہ ایسا تنہا ہو کہ چچا کے گھر میں دوسرے بچوں میں چیزیں تقسیم ہوتی دیکھے اور دور کھڑا ہو کر سوچے کہ میرا تو کوئی نہیں اس لئے میرا کسی چیز پر کوئی حق نہیں۔ یہ وہی بچہ ہے جو جب جوان ہوتا ہے تو نہ اس کے پاس مال و دولت ہے، نہ کوئی جتھہ، یکا و تنہا وہ ایک ویران اور اندھیری غار میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور جب اپنے اسی خدا کے حکم سے اس غار سے نکلتا ہے اور اپنے رب کا حکم پہنچاتا ہے تو اس کا قبیلہ بھی اس کا مخالف ہو جاتا ہے، خاندان کا یہ حال ہے کہ چچا عبد العزی بن عبد المطلب، ابو لہب بن جاتا (یعنی اس کے خلاف بھڑکنے والی آگ کا باپ) اور چچی ام جمیل حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ کہلاتی ہے یعنی اس آگ میں لکڑیاں جھونکنے والی۔ لیکن اس شخص کا ایک ہی نعرہ ہے یعنی لا الہ الا اللہ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میرے پاس نہ کوئی قبیلہ، نہ خاندان، نہ مال و حشم ہے، بیٹے بھی نہیں، طاقت بھی نہیں لیکن تم دیکھ لو کہ میرے پاس صرف اللہ ہے۔ یہ بے کس انسان کہتا ہے کہ خدا ہے اور اس خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ دنیا کی super powers کے خزانے مجھے دے دے گا، وہ کہتا ہے کہ سارا عرب اور ساری دنیا مجھ پر ایمان لے آئے گی اور قیامت تک مجھ پر درود بھیجا جائے گا۔ اس وقت کے ابو الحکم کہلانے والے یعنی اہل عقل و دانش سمجھے جانے والے اسے مجنون اور پاگل گردانتے ہیں اور عام لوگوں میں بھی اس کا یہی نام مشہور کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن پھر اس کا خدا اس کے سب دعوے پورے کر دیتا ہے، قیصر و کسریٰ کے محلات کی کنجیاں اس کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے، 1600 سال گزرنے پر بھی لوگ اسی در یتیم، اسی امی کے نام پر علم حاصل کرتے ہیں، ہر زمانہ میں اس پر اربوں لوگ درود بھیجتے ہیں، اس کے بیان کردہ تمام ناممکن التعبیر خواب پورے ہو جاتے ہیں تو اس واقعہ کو دیکھ کر تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس کا پیش کردہ خدا کوئی مفروضہ نہیں۔ اس کا خدا تمام حسابات اور Calculations سے ورے ایک عظیم

الشان ہستی ہے۔ اور اگر سائنس میں آج تک کوئی ایساmethod ایجاد نہیں سکا جو اس خدا کو حقیقت ثابت کر سکے تو ایسی سائنس کو ہم ناقص کہیں گے اور سمجھ لیں گے کہ ایسی سائنس کامل نہیں ہے اور ہر حقیقت کی explanation نہیں دے سکتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دُنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اُس اُمی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَغَمِّهٖ وَحُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَى الْاَبَدِ“

(برکات الدعا، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 10،11)

حضرت مسیح موعودؑ: جدید دور میں غلبہ کی تصویر:

انیسویں صدی کے آخر میں جب الحاد، استہزاء، عیسائیت، اور فرقہ پرستی زوروں پر تھیں، خدا نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مامور فرمایا۔ آپ نے جگہ جگہ دعاؤں کی قبولیت اور نشانات دکھا کر خدا تعالیٰ کے وجود کو ثابت کیا اور فرمایا:

لوگو سنو کہ زندہ خدا وہ خدا نہیں جس میں ہمیشہ عادت قدرت نما نہیں

آپ نے 20000 کی تعداد میں دنیا کے طول و عرض میں بڑے بڑے سکالرز اور نامی لوگوں کے نام اشتہارات اور خطوط بھیجے کہ آؤ میں تمہیں خدا تعالیٰ کے ہونے کا نشان دکھاتا ہوں مگر لوگوں نے اس طرف توجہ نہ دی لیکن خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر چیز پر قادر ہے (جَلَّ شَانُهٗ وَ عَزَّ اِسْمُهٗ) نے خود آپ کو کئی ایسے نشان دیئے جو آج بھی دیکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا بین ثبوت ہیں۔ انہی نشانات میں سے ایک نشان خدا تعالیٰ کے ان وعدوں کا پورا ہونا بھی ہے کہ ”میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا“ اور ”میں تجھے برکت پہ برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔“ پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں قادیان کا ایک غریب و بے کس و گمنام انسان جس کی ہر طرف سے مخالفت ہوئی علماء، حکام، عام لوگ، حتیٰ کہ میڈیا بھی۔ لیکن اس کے خدا نے ان تمام مخالفتوں اور

طاقتوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور اپنے وعدوں کو پورا کر کے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ کی دلیل ایک دفعہ پھر پوری شان سے دکھادی۔ جماعت احمدیہ آج 200 سے زائد ممالک میں قائم ہے، قرآن کی خدمت میں پیش پیش ہے، اور خلافتِ احمدیہ کی دعاؤں سے ہر نیا چڑھنے والا دن خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک بین ثبوت بنتا چلا جارہاہے۔

حرف آخر:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کو اس طرح بیان فرمایا کہ:

وَ لَقَدۡ سَبَقَتۡ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۷۲﴾ۚۖ اِنَّہُمۡ لَہُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ۙ وَ اِنَّ جُنۡدَنَا لَہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ۔(الصّٰفّٰت:172تا174)

اور ہمارا فیصلہ ہمارے بندوں یعنی رسولوں کے لئے پہلے گذر چکاہے۔(جو یہ ہے) کہ ان کی مدد کی جائے گی۔اور ہمارا لشکر(یعنی مومنوں کا گروہ)ہی غالب رہے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو یوں چند الفاظ میں بیان فرمایاہے:

”نبی خدا کی صورت دیکھنے کا آئینہ ہوتا ہے اسی آئینہ کے ذریعہ سے خدا کا چہرہ نظر آتا ہے۔جب خدا تعالیٰ اپنے تئیں دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے تو نبی کو جو اس کی قدرتوں کا مظہر ہے دنیا میں بھیجتاہے اور اپنی وحی اس پر نازل کرتا ہے اور اپنی ربوبیت کی طاقتیں اس کے ذریعہ سے دکھلاتا ہے۔تب دنیا کو پتہ لگتاہے کہ خدا موجود ہے۔“

(حقیقۃ الوحی،روحانی خزائن جلد22صفحہ115)

❁❁❁❁❁

DOES THE SHROUD OF TURIN SPEAK OF A LIVING JESUS FOLLOWING THE CRUCIFIXION?

FROM THE VIEWPOINT OF A PHYSICIAN

(M. H. Nuri)

In 1898, an Italian lawyer and amateur photographer, Secondo Pia, took the first photographs of the Shroud of Turin. The following year, in 1899, the Founder of the Ahmadyyia Muslim Community in Islam Hadhrat Mirza Ghulam Ahmad wrote the monumental book "Jesus in India" in which he proved, with solid arguments that Jesus Christ survived crucifixion and travelled east to deliver the message of God to the lost tribes of Israel.

In 1905, Hazrat Mirza Ghulam Ahmad published his book "Barhan-e-Ahmadyyia Vol 5. (p367). Answering a question regarding photography he wrote: "...it enhances human knowledge, helps in diagnosis of many ailments and sagacious people are drawn towards true guidance..." Truly in the image/photograph of Shroud of Turin, there is strong evidence of living Jesus in the wake of Crucifixion and sagacious people are drawn towards true guidance.

Hadhrat Mirza Masroor Ahmad the Head of the Worldwide Ahmadyyia Community, may Allah be his Helper visited the Shroud of Turin Exhibition in the Cathedral of St John in Turin, northern Italy on Monday, 20th April 2010. This was an unexpected and unscheduled visit. He was the first Successor of the Promised Messiah to observe the Shroud.

When asked by the Director of the Exhibition Mr. Monsignor Ghiberti: "what motivated you to come and see the Shroud of Turin?" Hadhur replied, "God saved Jesus from the crucifixion"..."the Messiah (Jesus (as)) was treated

for his wounds and Allah granted him life thereafter"...Hadhur further added, "it does not prove his death; rather it proves he was alive. In any case, we also consider the Shroud to be blessed despite our differing views."

During the last one hundred years great events have taken place, such as the taking of/capturing photograph of the Holy Shroud (1898), the Promised Messiah's publication of a book 'Jesus in India' the following year(1899), his views about photography in his book Braheen I Ahmadyyia (1905), and the historic visit by Hadhrat Mirza Masroor Ahmad (2010) of Turin. These events did not happen by chance or coincidence but were planned by Allah - the All-Knowing.

As a medical scientist, I can testify that critical medical review and examining medical literature on the subject affirms in a that the person enveloped in the Shroud was alive comatose condition. The following medical evidences are critically analyzed.

A living Jesus Christ: Some scholars have indicated that the wrapped human body's image was perfectly immobile; the very detailed image would not be possible otherwise (1). It is, however arguable, that the body was not rigid. In fact the bent head could have happened on account of threereasons:

i) forward lean of the head while on the cross for sufficient period of time when in a state of swoon,

ii) injuries to the head and neck muscles resulting in muscle spasm, and

iii) a pillow placed under the head.

Unnatural posture: It is also argued that the absence of flattening in the buttocks area and unnatural bending of knees and ankles are 'only' compatible with rigidity (1). This, according to experts, is presented as a sign of rigor mortis, implying death. Little does one realize that the Roman cross had a small support called a 'sedile', or seat, on which the victim sat, as on a

saddle, thus giving the back an arched posture (5). Also, the scourges and injuries cause muscular spasms resulting in an unnatural posture.

Side wound: The blow with a sharp instrument, a Roman spear, was driven through the right sub- costal region, facing upwards and backwards, into the heart (1) (pericardial space). This was intended to kill the man on the cross. It consists of an oval, elongated mark (4 x 1.5cm) corresponding to the area where the spear entered, plus a bloody outflow 6cm wide and 15cm long from the pericardial cavity. The injury shows sharply cut skin, opened with lips, showing signs of retraction only found in a living person. The outflow composed of rivulets of red liquid (blood) plus a clearer liquid (pericardial tamponade i.e., bloody fluid accumulated in the pericardial cavity due to the scourge wounds) as revealed by UV photos. The outflow has all the characteristics of active flow from a beating heart, thus violently staining the skin (7).

Blood on the head, wrists and feet: The blood stains caused by the crown of thorns also indicate that the man in the shroud is alive. The thorns and nails cause not only puncture wounds which may not necessarily bleed much but the tearing scratches may continue to bleed for a longer time. This leaves blood stains typically found on the Shroud. Scientific analysis demonstrated without doubt the genuineness of the blood. Bruknaer and Berna reported, "No post-mortem bleedings are on the Shroud because the position of the marks and the blood serum borders around the identified human blood prove active bleeding as a result of heart activity. The existence of serum borders requires the existence and activity fibrin in blood outflow. Post-mortem blood does not have this active fibrin."(1c)

Amount of blood on the Turin Shroud: In this case the amount of blood on the Shroud was not sufficient and corresponded to the wounds inflicted. There has not been any severe haemorrhage. (1b) Experimental evidence also

indicates that relatively small amount of blood was present, thus disproving the hypothesis of significant blood loss resulting in death.

Wrist wound: The wrist blood stain is composed of two or three rivulets. This minimal blood loss indicates nails being driven between wrist bones (the bloodless area) to support the weight of the body on the cross.

The Savior' Blow: As thought, a spear entering the chest could have hit the heart. To my understanding, as a cardiologist, the blow came to his rescue and pierced the outer layer of the heart i.e., pericardium, containing blood from scourging, resulting in decompression of the heart. It is highly unlikely that the spear perforated other structures like lung or stomach (7).

The experiment conducted by Zugibe (6) is technically perfect but the conclusion drawn is incorrect. The path of the spear, entering from the right sub costal region, upwards and backwards, reaching the path of only 8-10 cm, enters the distended pericardium (not the atrium). This resulted in blood gushing forth, which is only possible with a beating heart.

Gas exhalation and face image: It is argued that the exhalation of gases is expected to cause some halos in the mouth and nose area. Also the humidity on the Shroud could have masked the imaging process (1). But the face area in the Shroud is one of those with highest resolution. If the swoon theory is correct, and probably it is true, the man in the Shroud had shallow breathing while still in a state ofcoma. It was customary on the part of Jewish women to bring and administer 'toska' to the sufferers. This drink was made from sour wine mixed with wormwood, and it had the effect of making the victim unconscious. (la) Humidity was minimal around early April in Palestine, in fact somewhat cold towards late afternoon.. The Shroud was covering the face but was not firmly wrapped around as was the Roman burial custom. Thus it is possible for a high resolution image quality.

A report prepared by a Senior Anaesthetist, Glasgow Royal Infirmary

headed 'St John reports the Life after the Cross, not the Death.'

In the case of Christ, the vitality was reduced to such a low level that even active breathing was not the metabolic exchange prevailing after collapse. Respiration had not actually failed, as seemed to be so obvious from the absence of respiratory movements, as sufficient respiration was being effected by the beat of the heart against lungs which to a great extent surround it. Of this we have practical experience in anaesthesia. The breathing bag of the conventional apparatus will, in such conditions, show movement, the chest and diaphragm being quiet at rest.

'It is entirely owing to this very reduced physiology that no signs of breathing betrayed to those carrying out the crucifixion the fact that life was still present in our Lord, even after two hours of collapse.'(1b)

Breathing movements: It is also argued that if the man in the Shroud was alive, he would breathe under the linen sheet, so a movement would be expected at least in the areas of the chest, belly and hands which are crossed over the pelvis. The image thus would again be blurred and resolution would be much lower especially in correspondence to the hands (1). The same reasoning as expounded above for high resolution image quality for face and nose holds true for areas of chest belly and hands.

Smears and blood 'crusts': Another argument against 'alive man' hypothesis is that bloodstains do not show any smears or crusts breaking, as would be expected if the Shroud man went physically out of the Shroud enveloping his body(1). The application of ointment made out of 'myrrh and aloe' and other spices can certainly prevent bloodstain smears and crusts breaking. Also the Shroud was loosely applied and not firmly wrapped, and that too possibly under the direction of experienced physician, Nicodemus, may be the reason.

Breathing under linen sheet: Again it is argued that under a thin linen

sheet, it is very difficult to breathe sufficiently for a period longer than 10 minutes (1). This is not true. The argument is not tenable and experiments under similar Shroud linen sheet are perfectly compatible with normal breathing for longer periods. It must be realized that theShroud covered the front and back of the body, leaving the sides open. Also, application of ointment at frequent intervals could not possibly suffocate the Shroud man

Body not washed: It has been suggested that the body had not been washed, contrary to ancient Jewish practices that required the dead body to be washed before burial. It is also suggested that the urgency to bury the body before the commencement of Sabbath may have prevented the normal washing (1). The fact that the body was unwashed proves that the Shroud is not only genuine but the person in the shroud was alive. It was pointless to wash a living person who was being treated of his surgical wounds.

Alive face of Jesus Christ: V.G. Ruello, an experimental film maker, using an angular filming technique from LCD computer screen, showed in 2011 the first Shroud type image in the St Peters Veronica Veil predating the Turin Shroud by three days. He solved the mystery of the Shroud of Turin, showing evidence it is the same man Jesus Christ in both relics. The Veronica Veil revealed the face of living Jesus Christ with his left eye open and the right bashed and swollen shut. He also showed the shocking new images of three toes ripped off the left foot.

- In April 2013 Ruello used the same filming technique to process the "second face" originally discovered in 2002 during the restoration by Fanti and Maggiolo. It appears onthe back of the Shroud, and red mark stains, very faint ones which are thought by many to be the spillover leakage from the front. On processing the "second face" Ruello revealed a living Jesus with both his eyes open. Well-known Shroud experts and critics have been left speechless as the photographic images have been proven to be real, no

element of photoshop or CGI manipulation exists. These earlier Shroud experts are attempting to slow down Ruello's awareness campaign using tactics of ridicule. Peer-review journals have refused to publish his findings(8).

Unfortunately these Shroud experts are making a lot of money from the mystery they have been selling to the public. Many books are written and Vatican does gain immense power and control by not informing the innocent of all the facts. However medical facts confirm that Jesus did not die on the Cross and this runs contrary to the religious belief of Christianity. It is an undeniable fact that in the life of Jesus Christ lies the death of modern Christianity. This is unacceptable to many in 'power'. Nevertheless truth and rationality are bound to succeed. Only time will tell!

References

1. Barbara Faccini et al. The death of the Shroud Man: an improved review. International Conference onthe Shroud "Perspectives of a Multifaceted Enigma": Columbus-Ohio August 14-17, 2008

2. Niels Svenssen and Thibault Heimburger. Scientific Research and Essays vol. 7(29), PP 2513-2525, 30 July, 2013

3. Robert W Sief kir, Spicer DS: The Shroud, A Critical Summary of Observations, Data and Hypotheses. The Shroud Center of Colorado., 2013, 1-45

4. N Sevensen. Medical and forensic aspects of the Man depicted on the Turin Shroud. Proceedings of the International Workshop on the Scientific approach to the Acheiropoietos Images, ENEA Frascati, Italy, 4-6 May 2010

5. W.D. Edwards, Gabel W.J., Hosmer F.E. On the Physical Death of Jesus Christ, JAMA, 255, 1455-1463, 1986

6. F.G. Zugibe: The Crucifixion of Jesus: A Forensic Inquiry, M Evans and Company, 21-24 (2005)

7. Nuri MMH: Jesus Christ (as) Did Not Die on the Cross, A Cardiologist's Perspective, Review of Religions March 2012, vol 107(3), 18-27

8. http://gloria.tv/?media=446254

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131

Editor: Mahfooz ur Rehman

JANUARY 2026 | SULAH 1405(HS)| RAJAB 1447(HQ)| VOL.15 NO.01

امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ قادیان 2025ء کے اختتامی اجلاس میں خطاب فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے جو دعا اپنے ماننے والوں کے لیے کی وہ پیش کی۔

”اے رب العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا، تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے غایت درجہ مجھ پر احسان ہیں میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما۔ اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے میں تیرے وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما اور دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین ثم آمین“ فرمایا پس یہ دعائیں جو آپؑ نے کیں اور ہمیں سکھانے کے لیے کیں۔ کہ یہ دعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو۔ اس کے لیے دعا مانگو۔ پس اگر ہم ان باتوں پر عمل کریں گے تو ان مقاصد کو حاصل کرنے والے ہوں گے جن کے لیے حضرت مسیح موعودؑ آئے تھے۔

(اختتامی خطاب، جلسہ سالانہ قادیان 2025ء مورخہ 28 دسمبر 2025ء)

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk
https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib